

ہنگویش میں اردو تنقید و تحقیق کی پہلی تصنیف

ہنگال میں غالب شناسی

پروفیسر کلیسہ سرامی

سالہ اشاعت	یکم نومبر ۱۹۹۰ء
مکتبہ	قائم ایس، ڈھاکہ
مطبع	برق آئٹ پریس، پٹوالی، ڈھاکہ
قیمت	پالیس روپے : بیگلا دیش
	چالیس روپے : ہندو پاک
	۴ امریکن ڈالر : دوسرے ملک

تفہیم کار:

- کلچرل اکیڈمی (شعبہ) ملک ٹور میموریل کمیٹی (ہنگل دیش)
- ایکسپریس، سبزی باغ، پندرہ روٹ (ہندوستان)
- نصرت ہسٹریز، امین آباد پارک، ممبئی ()
- انجمن ترقی اردو، اردو گھر، رانڈ پوٹو، دہلی ()
- انجمن ترقی اردو، بابائے اردو، رانڈ پوٹو، (پاکستان)
- منصور بک ہاؤس، کچری روڈ، لاہور ()

کلچرل اکیڈمی

۱۰ اقبال روڈ، محمد نواز ڈھاکہ - ۷
ہنگل دیش

انتساب

استاذ محترم ڈاکٹر غنہ لیب شادانی

کے نام !

کلیم سہسرا می

پیش لفظ

تیسرے فقرہ مجموعہ کا ہر فقرہ ہے لیکن پورے ہنگام کی دنیا کے ادیب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس میں یہ پانچ مقالے شامل ہیں:

(۱) ہنگام میں غالب شناسی (۷) غالب کے ایک حریف (۳) غالب کے ایک ہنگامی شاگرد (۴) کلام غالب کے ہنگامی تراجم (۵) غالب کے فکر و فن کا تجزیہ۔ پہلا مقالہ غیر مطبوعہ ہے۔ یہ تمام مقالے ایک ہی سلسلے کی گڑھی ہیں۔ ان میں موضوعات اور معنی کے لحاظ سے بھی باہمی ربط ہے، اس لئے ایک مستقل کتاب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہنگام کا تعلق غالب سے کیا رہا ہے؟ اس کی تفصیل ان کے مطالعے سے معلوم ہو سکے گی اور یہ امکانات ہوگا کہ ہنگام میں غالب کے مخالفین ہیں، تھے، مخالفین، معتقدین اور تلامذہ بھی تھے۔

ہنگام پیش میں کتابت و طباعت کی جو دشواریاں ہیں، ان سے ہر منزل پر رد و چار ہوتا پڑتا ہے اور یہ آسانی صرف ڈھاکے میں محدود طور پر میسر ہے۔ راجشاہی یونیورسٹی میں درس و تدریس کے علاوہ جو وقت ملتا ہے وہ مطالعے اور اس کے بعد حاصل مطالعہ کی تحریر و تہذیب میں گزرتا ہے۔ لیکن ہنگام پیش کے قیام کے بعد ایسے احباب کی کمی شدید طور پر محسوس ہوتی ہے، جن سے ادبی و علمی مسائل پر گفتگو کی جاسکے۔

میں یونیورسٹی کے کام سے ڈھاکا آیا ہوا تھا، شام صاحب سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے افسانوں کا پانچواں مجموعہ چھپوا رہے ہیں۔ ان کے اس اہتمام سے مجھے بھی اپنی کتاب کی اشاعت کی تحریک ہوئی۔ سوئے کی تصحیح میں ہر امکان کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن انسانی لغزش سے دامن بچانا ممکن نہیں۔ توقع ہے کہ غالب سے ذوق رکھنے والے حضرات کے لئے یہ کتاب دلچسپی کا باعث ہوگی۔

ریشائی یونیورسٹی — راجشاہی

ہنگال میں غالب شناسی

مرزا غالب کی شخصیت جس طرح جادو پر توجہ اسی طرح ان کی شاعری قابلِ مطالعہ ہے۔ اگرچہ غالب کی وفات پر ایک سو سال سے زیادہ عرصہ گزرا لیکن اب تک جتنا کچھ ان پر لکھا گیا ہے وہ ظاہراً قابلِ کے علاوہ کسی اور پر نہیں لکھا گیا۔ ہندوستان پاکت اللہ کے علاوہ روس میں بھی غالب پر جو کام ہوئے اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ دراصل غالب کی شخصیت کا رنگارنگی، فکر و فن کی توانائی، تخیل کی بلندی، طبیعت کی تندت اور مزاج کی اتانیت میں کچھ ایسی کشش اور جاذبیت ہے جس نے ہر مکتب فکر کے اصحابِ علم و فن کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

غالب کی شخصیت و شہرت اور شاعری و فن کاری نے ہنگال کو بھی متاثر کیا۔ جہاں چو انیسویں صدی عیسوی میں خواجہ میرد جان شائق جہانگیر لکھی اور خواجہ عبدالغفار اختر جہانگیر لکھی غالب کے حلقہٴ تلمذ میں داخل ہو گئے۔ شائق کے نام تو غالب کے فارسی خط سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے، جیسے قاضی علی اللہ و دو صاحب مرحوم نے ناصر غالب کے عنوان کے تحت شائع کر دیا ہے۔ اور اس سلسلے میں تذکرۂ شہر لکھنؤ، سراپا سخن،

۱۔ علی گڑھ یونیورسٹی (غالب پریس) ۱۹۴۱ء۔ غالب کے فارسی خط کی نقل کے لئے پروفیسر ممتاز الدین احمد صاحب کا شکر گزار ہوں۔

نگارستان سخن اور سخن شعرا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے صرف تندرست نے سخن شعرا میں شائق کو
 غالب کا شاگرد بنایا ہے اور بھی کو ان کا مختصر مایہ یوان تبارخ کی نظر سے گزرا ہے معلوم
 نہیں یہ دیوان مطبوعہ تھا یا قلمی بہر صورت اب ناچید ہے۔ غالب نے اس خط میں شائق
 کے حسب ذیل تین فارسی شعر پر جزوی اصلاح دی ہے اور معنی خیر توجیہ بیان کی ہے۔
 (۱) بسع ز ماضیت و جان منست این : جہانان کہ روح دروان منست این
 (۲) میں تری ہما پس بود بعد قسٹم : جو گوئی کہ از گشتگان منست این
 (۳) ز پڑ سید کلب ز حال درد نم : وفای بت بد گمان منست این
 پہلے شعر میں غالب نے آسمان کو جہان سے بدل دیا اور توجیہ یہ بتائی کہ جہان
 زیادہ لطیف ہے۔ دوسرے شعر میں جو گوئی کی جگہ ہفرما کی ترمیم کر دی اور وجہ یہ بیان کی کہ
 جو گوئی سماعت پر گراں گزرتا ہے اور شعر کا مفہوم براہ راست سمجھ میں نہیں آتا تیسرے
 شعر میں وفای کی جگہ ایم توجیز کیا ہے اور سبب یہ بتایا کہ یہ تسلیم شدہ ہے کہ محبوبہ وفا
 ہے اس لئے کبھی میرا حال دریافت نہیں کرتا، ایسی صورت میں بت کا صفت بد گمان
 عنونیج ہے۔ دنا کے ساتھ اس کا استعمال درست نہیں۔ اس طرح غالب نے شعر
 میں نازک خیالی پیدا کر دی۔

خواجہ عبدالغفار اختر کا یہ مقلد تو زبان روحاں و حام ہے :

داد غالب بھی تجھے دیں گے زبان وانی کی

لے کے اختر جو یہ دلی میں غزل جائے گا

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ہنگال میں غالب شامی کی بنیاد غالب کے

مہد سے ہی پڑ چکی تھی اور غالب سے ہنگال کے شعرا کی جان پہچان کا سلسلہ شروع ہو چکا
 تھا۔ اسے غالب کے فکر و فن کی عظمت سے تعجب کیجئے یا ہنگال کے شاعروں کی خوش نصیبی
 سمجھئے جس کی بنا پر شاعری کی دنیا میں ہنگال کا رابطہ رقی سے باطل قائم ہو گیا۔

اس کتاب میں قزوین عبدالغفور اختر پر ایک انگ تفصیلی مقالہ پر قلم کیا گیا ہے جس سے میرے بیان کی تصدیق اور اختر کی شاعری کا اندازہ ہو سکے گا۔

انیسویں صدی میں بنگال نے ایک اور شخصیت پیدا کی جسے آقا احمد علی اصغر خاں کہتے ہیں پچیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ در زمان کے ہاتھوں بلاشبہ کچھ اور قابل قدر علمی و تحقیقی کارنامے انجام پاتے۔ عین جوانی کے عالم میں "طالع برہان" کے سلسلے میں غالب سے لگا رہی معرکہ آرائی ہوئی جس کے ثبوت میں "مؤید برہان" اور "شمیر تیز تر" سے احمد علی کے دستخط مطالعہ کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ اس کتاب میں اس موضوع پر غالب کے ایک حریف کے عنوان سے ایک مقالہ شریک اشاعت ہے اس کی نقیض کہ یہاں ضرورت نہیں غالب کے قول کے مطابق ایک دست کی اطلاع پر کہ مؤید برہان کے نام سے ایک صاحب نے "طالع برہان" کا جواب لکھا ہے، غالب نے کتاب دیکھے بغیر احمد علی اصغر خاں کے خلاف ایک قطعہ لکھ کر اپنی اخلاقی کمزوری کا ثبوت دیا۔ احمد علی کی کتاب کا لب و لہجہ عالما دار اور محققانہ تھا۔ اور غالب کے قطعے کا انداز بیان بہت ہی اور ضریح تھا۔ مزید یہ کہ اس ادبی نزاع میں احمد علی اصغر خاں نے غالب اور ان کے طرفداروں کی فحش نگاری کے باوجود اپنی کتاب "ہفت آسمان" میں غالب اور ان کی مثنوی پر سنجیدہ اور عالمانہ انداز میں بحث کی۔ اسی ادبی معرکہ میں قند سلہٹی کی شخصیت ہمارے سامنے آتی ہے۔ قند سلہٹی مولوی احمد علی کے شاگرد تھے اور انہیں نے غالب کے قطعے کا منظوم قطعے کی صورت میں جواب لکھا تھا۔ قنداکے بارے میں تذکرہ میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ وہ اسی قطعے کی بدولت غالب کے مخالفین کی صف میں شریک نظر آتے ہیں۔ ان کا نام عبدالعزیز تھا۔

غالب کے ساتھ بنگال کے تعلقات میں مزید استواری عبدالغفور خاں نے قائم کی

مکتی شعرا کے ذریعہ چلا ہوئی تھی وہ نہ اپنا پہلا دیوان "دفتربے مثال" غالب کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا اور غالب نے اس کے جواب میں یہ خط لکھا ہے

"جناب مولوی صاحب قیلاذیہ درویش گوش نشین جو موسوم بہ اسم اللہ اور متخلص بہ غالب ہے۔ افزائش غایت کا طالب ہے "دفتربے مثال" کو عطیہ کبریٰ اور سوہیت مطلق سمجھ کر یاد آوری کا احسان مانا۔ میں دوزخ گو نہیں خوشامد میری خوشنہیں دیوان فیض عنوان اسم با مستحق ہے۔ "دفتربے مثال" اس کا نام بھی ہے۔ الفاظ مستین معانی بلند، مضمون عمدہ، بندش دل پسند، شیخ امام بخش طرز جدید کے مؤجد اور پرانی نامور روشوں کے فاتح تھے۔ آپ ان سے بڑھ کر بعید مبالغہ کیے مبالغہ نسخ ہیں نظم و نثر فارسی کا عاشق اور مائل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغِ اصحابی کا گھائل ہوں۔"

سردار جلال سے ایک مدت تک مولانا ابوالکلام کی وابستگی رہی ہے، ان کی خدمت میں ملائیے کی وسعت اور حافظے کی قوت قابلِ رشک تھی۔ مولانا غلام رسول تبرک نام ان کی جو تحریریں "نقشبۂ آزاد" کے حصہ دوم میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کا تذکرہ دلپسند سے خالی نہ ہو گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ان کی نظر سے غالب کی عین تصویریں گزری ہیں۔ حافی کی یادگار غالب میں جو تصویر چھپی ہے اس کی حقیقت مثنی رحمت اللہ رحمت نے مجھ سے بیان کی کہ

لے خطوط غالب مرتبہ غلام رسول ہر (شیخ غلام علی ایڈیٹر لاہور) ۱۹۶۳ء ۵۹-۵۹
 ۱۰ اشارہ ہے آغا احمد علی صاحبی کی طرف، جنہ سے قاضی برہان کے سلسلے میں غالب کا منکر کرائی
 ہوئی تھی۔ لے نقشبۂ آزاد، غلام رسول ہر (کتب منزل لاہور) ۱۹۵۹ء ۲۵۹-۲۳۲

انہوں نے تینوں کو پیش نظر رکھ کر ایک چوتھی تصویر اپنے تخیل کے مطابق تیار کی، اس سے غالب کی اصل صورت کا اندازہ ہمیں لگایا جاسکتا مولانا نے برسیل تذکرہ غالب کے استاد ملا عبد الصمد پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ فارسی زبان کے مول و قواعد اور سحرک اور قدیم فارسی کا باہمی رشتے کا راز بھی اس پر کھل چکا تھا میرے خیال میں محققین میں اب بھی یہ اختلاف ہے کہ واقعی ملا عبد الصمد کسی فرضی شخصیت کا نام تھا۔ مرزا غالب نے اپنی علمی استعداد کی تصدیق کے لئے اسے انسانی وجود بخشنا تھا، مولانا آزاد پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ بتایا تھا کہ درحقیقت عبد الصمد پر بھی نہیں کھلی تھی۔ حال آنا کہ یہ سرتاسر جعل و اختراع ہے اور قطعاً ظہور اسلام کے بہت بعد کھلی گئی ہے۔ اس کا محض بناؤنی اسلوب ہے جس میں پرانے ادق کا جمع کر دینے گئے ہیں۔

”نساخت اور مرزا غالب“ کے تحقیقات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ بقول نساخت..... کلکتہ میں مرزا غالب کا حملنا جلنا زیادہ تر ایرانیوں سے رہا اور انہوں نے پوشش و لباس میں بھی ایرانی وضع اختیار کر لی..... نساخت کے کلام کے متعلق لکھتے ہیں، ”شیخ امام بخش طرز قدیم کے نساخت تھے آپ بلا مبالغہ صرف ماہرہ نساخت ہیں۔ حالانکہ ان کا پورا اکیلا تمام زمر خرافات سے بے رحمیت ہے ایک مصرع بھی ایسا نہیں مل سکتا جس پر غالب کی یہ جے جی مداحی صادق آسکے۔ مولانا شبلی کا خیال تھا کہ غالب نے یہ رقم کھڑکی نہیں بنایا تھا، لیکن یہ بات نہیں کیا جاسکتا نساخت ڈپٹی کلکٹر تھے ان کی سریش سے ممکن ہے مقصد حاصل ہو سکے۔ مولانا لکھتے ہیں غالب کی قیام گاہ کی نشاندہی محلہ شہ بازار میں کی ہے۔ یہ جیت پورہ دہلی کے اس حصے میں تھی۔ جہاں کہ گینڈا نالاب کے نام سے مشہور ہوئی۔“

کلکتہ میں غالب کے خلاف جو ادبی ہنگامہ ہوا اس میں مولانا آزاد نے تین نام بدلے ہیں، پرنس غلام محمد (میسور) کے میر منشی احمد علی، دوسرے صدر برغالیہ

کے مدرس احمد علی دھنپانی تیسرے گورنر جنرل کے دفتر، منشا کے ملازم مولوی وجاہت علی
مکھنوی شاگرد قسری۔ آقا احمد علی اس وقت پیدا ہوئے تھے۔ مولانا کو معدودہ اطلاع
دی گئی۔

نواب کلب علی خاں جب والی رام پور سے توبہ پور ہوا کہ صحت سستی میں اگرچہ
نائب کا وظیفہ جاری تھا لیکن انہوں نے اس فتنہ کو دور کرنے کے لئے یہ قطع کیا تھا۔
پڑ میں اہل تسنن کی میں دو سلاطین : حیدر آباد کنارتھ گھستایا رام
رام پور اہل نظر کلبہ نظر میں وہ شہر : کہجاں شہت پست آگے ہوئے میں باہم
حیدر آباد بہت دور ہے اور ملک کے نوک : اس طرف کو نہیں جلتے میں جو جاتے ہیں تو
خود کے باہم میں شعرا کو حکم : ہا کہ عید کے موقع پر تہنیت کے تعارف پیش کریں غالب
نے ایسا کیا ہو گا۔ البتہ دو قصیدہ اور ایک اردو قطعہ انہوں نے ضائع کر دیا۔ غالب کی معلومت
پسند کی کہنے یا سرکار پرستہ کہ خود کے بعد جب وہ بار ہوا تو پیر کے باوجود دو آدمیوں کے ہاتھ
انہوں نے نصیحت گورنر کو زراعتاں کا عقد پیرایہ تہنیتی راہی پیش کی تھی۔ مولانا اپنے مخالف
پراعتاد کرتے تھے احمد نے انہیں مخالف ہوا یعنی صغیر بگرامی آروی کی دلی میں غالب سے ملاقات
وا انہوں نے غلام حسنین قدر بگرامی سے منسوب کر دیا ہے۔ مولانا کا یہ خیال بھی نظر ثانی کا تھا
سہ کہ صغیر کا "جلوہ خضر" غلط ہے معنی ہے۔ اردو جواب میں تاریخی اور لسانی حقیقت سے
اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ذوق سے فرمائش کی کہ اردو کا سب سے بہتر
شعرستان کچھ تامل کے بعد ذوق نے غالب کا یہ شعر پڑھا۔

ریائے معاش کا تنگ آبی سے ہوا خشک : میرا سر داسمہ بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

مولانا آزاد نے غالب کے بخری دور کے ایک شاگرد نادر شاہ خاں شوخی کا تذکرہ
بھی کیا ہے شوخی رام پور کے باشندہ تھے۔ کھلے کی مشہور طوفا ٹوپر جالند سے نواب میر حسن خاں
کا تعلق تھا۔ انہوں نے قیصر سے باسبانی کے لئے شوخی کو کھلے میں متعین کر رکھا تھا۔ ان کے

اس شعر کا اولدیہ ہے۔

ہوئی توحی جو تخت وصل میں اس ماہ یکم سے

گو ہی ہم سے رولادی، شکن آورہ بستر سے

یہیں عہد کے آغاز میں جان بہادر رضا علی دشت گلشنی عید پر مستعار
حالت بنکال میں داوود سخن و ستارہ نظر آئے۔ دشت گلشنی کا بیلادیوں مطوعہ سنہ
کا مطالعہ کیجئے تو اُنکے آئینہ دشت کے کلام میں حالت کی زمین حالت کی ترکیب اور
حالت کے صحن و موضوع کی خوبیت سے حیرت ہوگی کہ یہ تارکس قدر حالت کے رنگ میں
ڈوبا ہوئے جس کی دوا مولانا علی اور حسرت موہانی محمد علی معین ترہ سکے۔ دشت
نے نظم کی صورت میں حالت کے فکر و فن کو حراج تحسین پیش کیا۔ اس نظم کے دو بڑے
ہندو ہیں۔

میر جگ گا کہ ہے کلام جالندھارا دلوں کو خوش میں لاتا ہے رنگ آتش تیر

بہار ستا ہے مہوں ہے خیال نکنا تیرا فروغ طبع کی معصوم ہے لکیر سا تیرا

تراویوں، حالت و فخر مارک خیال ہے

ترا پا یہ ٹھنڈا ناں ہندوستان میں حال ہے

طہور کا ہو کر تیرے دل کا رنگ کے ارادان کو تیرے عرفی شیراد کیا ہے

شرابی پر شیوہ فکرو جن پر داز کیا ہے تیرا ترکیب کیا ہے تراہ رنگ ہے

ہوئے رنگ افراتے علم ہندوستان تجھے ہے

نئی ہر زمیں دلی کی گویا اصحاب تجھے ہے

اگر وہ ہندوستان رجوع عہد شعباردو فارسی ڈھاکا پورسل کا مقالہ مرزا دات

اور دوسرے حالت " ایک سے راویہ نظر سرے لچبہ انداز سے سپرد قلم کی پناہ میں ہیں

۱۹۶۱ء
۲۴۲-۲۴۳

یہ حالت غلطی کے دس سالوں کا حال تھا۔ نہ کہ نہ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ اس میں
 ہے کہ حالت کے معاد تھے اور کچھ عاقب کے جذبے سے پہلے گزر چکے تھے۔ چنانچہ اس سے انکار
 میں کیا جاسکتا کہ مرزا غالب کو اس کا علم نہ ہو، اس سلسلے میں ڈاکٹر تارا داس فرماتے ہیں۔
 ”یہ دیکھ کر حیرت جو جذبے کو جو تمھیں چھوٹے میں ایسی اعتراف اور
 شان امتیاز کو مانتی رکھنا چاہتا تھا جس نے بے خیالات کی جوت
 مدت پر بہتہ مانگیا۔ اس نے غلطی کے بعد میں کسی جدت کا
 جوت نہیں دیا۔“

ڈاکٹر تارا داس نے خیال میں مرزا غالب کی اہمیت و مقبولیت کی بنا پر ان کا غیر معمولی
 کلام نہ کہ سوجھ بوجھ کے بعد آئے دن رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ جیسے میں مصور میں
 تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جو مرزا غالب کا کلام نہیں مگر کسی اپنی مصحفیت کی بن پر
 اسے عاقبت کے نام سے منسوب کر دیا۔ دوسرے وہ جو مرزا غالب کا کلام ہے اور دوسرے وہ جو
 کسی اور حالت کا کلام ہے مگر مرزا غالب کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ چونکہ لوگ عام طور
 پر کسی دوسرے عاقبت سے واقف نہیں اس لئے جو یہ مطبوعہ کلام انھیں عاقبت کے نام سے
 ملتا ہے اسے وہ مرزا غالب کے نام سے منسوب کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے علی گڑھ
 میگزین کے غالب مجلہ (۱۹۴۳ء) سے ایک غیر مطبوعہ عربی مکتوب کیسے جو تذکرہ ”پروانہ جہاں“
 مصنفہ عیسیٰ مراد میں دیا۔ یہ حال کے بڑے غالب و جوت سے موسوم ہے۔ اس لئے
 ہر غیر مطبوعہ کلام کو غلطی ظن و قیاس کی بنا پر مرزا غالب کا کلام سمجھ دیا۔ تحقیق کہ تذکرہ کے مطابق ہے
 اور یہ غیر مطبوعہ کلام مرزا غالب سے منسوب کر کے سے قبل حالت غلطی کرنے والے دوسرے
 شعرا کا طریق بھی تو وہ دہرا چلے گئے تاکہ غلطی کا مکان نہ رہے۔

”مرزا غالب بہ عذیب تارا داس صاحب کا ہے جو ان تمام کے عنوان سے ایک جوتی

مضمون منقذ ہے جس پر لکھے والے نام مشہور درج سے دراصل ڈاکٹر فاضل ہے۔ یہاں
 کی امر دیکھ کر انفرادی و قضاوی پر نام لکھ دیا اور تفصیل میں کرتے ہوئے اردو
 شاعری سے حدیث غالب کے انتقادی پس منظر کے تحت لکھا اور ہلکا پھلکا یا شہرانی تھا اس
 لئے ان کے قلم کا شمار نقدی سے مراد غالب بن گئے۔ حسین نگار کو یہ کتاب جسے کہتے ہو
 گئے تھے یہ لکھنے کے لئے نادانی صاحب نے اسی کا مضمون اس طرح بیان کیا ہے جس سے
 صاحب کی شخصیت بکثرت موصوفت بقول ڈاکٹر فاضل
 "مرید ہے مرید اور معترف ہے انھوں اپنے قتل کا اور قہریت تفصیل سے
 لکھے" نام مختصر ہے ساقیوں کرتے ہیں

مگر کہاں قسمت آرمے وہاں جب فوجی قہر آرمے۔
 لہر سے قہر کے ساتھ کہے جاتے تھے کہ مرید و پستیا کا پستیا ہو۔
 ڈاکٹر فاضل نے مریدوں کے حدود و معنی نہ جاننے کے بھی فاضل میں پہلے
 غلط فہمیوں کے متعلق لکھے "البتہ تھے پھر سری سکا میں مستقل سموت اجڑ کر گئی۔
 اس درجہ و درجہ سے سکھ و شہر جو کر رہے سکون کی رہی گزاردہ ہے میں۔" کا خیال لکھ
 غلطی اور ادبی مقالہ لکھ کر مرید مذہب میں "غالب کا سہارا" کے عنوان سے
 تالیف ہوئی۔ مریدوں پر بہت غلط فہمیوں میں ادبی مضمونوں و مطبوعات اور
 رنگارنگی وغیرہ۔ مریدوں کی نظریہ سے غور بھی کیا۔ یعنی ہندوستان و اس کے نسلی
 وادی سمجھ میں یہی دشمنی غلط فہمیوں میں جس سے ان کے دہان میں حسد پیدا ہو گئی۔
 منظر نامہ مطبع پستی کرتے ہیں۔

مریدوں کی عیاد کو چھانڈنے ہوئے۔ جو پیش درجہ سے ہر چیزوں کے ہونے
 بعد مریدوں میں محبوب کو مدعو کرنے کی لطیف تہ پوچھ رہے تھے۔

یہ جو برم آرائیوں کے لئے اہتمام کیا جا رہا ہے اس کا جواب درود تو روم فارسی اور تمام
 آریائی زبانوں میں مشکل سے مل سکے گا کہ ان کو انگریزی اور انگریزی ادب میں تو
 اس نوع کا کوئی تصور پیش نہیں کیا جا سکا۔ سونا انگریزی شراب جو "یار" کہ طرز و رسم کی
 جانے لگی اس کے لئے سے برم اس طرح جگمگا اٹھے گی جیسے میوہ چراغ قربے سے جھمکا
 رہے ہو۔ پھر جو بڑی قدح "انے تصور کو جو پر راز کشی ہے وہ قریح سے بے نیاز ہے
 خرابی کے روم رنگ مٹوں اور غائب ہے جس طرح دکھا یا ہے اس سے پہلے ہم
 داخلی نشاط حاصل کر لیتے ہیں۔

موجود گل سے چراغاں ہے گر گلا حیاں نہ : ہے تصویر میں زمیں جو ہر نما موج شراب
 بہار کی شان میں دنیا کے تقریباً تمام شعرا نے رنگ برنگ کے گل کھلائے ہیں
 اور جہاں تک ہی حالت کا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ ہمارے میں موقوف اور نظری عربی
 میں مضمون پر اور بن رہی ہیں انگریزی میں وہ ڈسوتیہ اور کیس "اسماوی میں گھٹے
 اور شکر اور مسکرت میں کالی داس اور بھوتی نے بہا۔ یہ ماحول دکھائے ہیں ان کا عطر
 حالت کا ایک شعور : دیا جا ملکت ہے۔

ہے خوش گل بہار میں یوں کہ کہ طرف : اترتے ہوئے دلچسپی میں امرتا چھو کے پاؤں
 بہار کی محو رقص میں سرخ چین جواڑا چہ سنا سے تو رنگ پھولوں اور شمع رشاق
 سیوں میں الجھ جاتا ہے عادت کہتے ہیں "فرستہ" ماحول داں غولان تھا سوئی رنگ کا
 علامہ اسی ریشم کے "فراغت اللہ بہار" اور "العمر" میں متحرک تیشوں کو صدف شاعری
 میں ایک خاص اہمیت دیکھئے۔ چنانچہ موج رنگ کے تصور سے عادت کے شعر کو جو اہمیت
 بخشی ہے اس کے انہیں دیکھنے کے لئے شراک کا صف میں یہ جتنا تذکرہ دیتے۔

"عادت" اور اخیر کے صوفیہ سے خراب قرآن میں مٹھری کا ایک مضمون کلکتہ میں شائع

ہوا تھا۔ اس میں حالت اور امیر مینائی کے ہم معنی اشداد و زہر رکھتے ہوئے لفظی و معنوی
موشگافی سے کام لیا گیا ہے۔ دونوں شعر پیش ہیں :

کوئی میرے دل سے پوچھے تب تیریم کش کو
یہ حالت کہاں سے ہوتی جو جگہ کے پار ہوتا (عالت)

جورنگہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں جبرائی
دی تیر کیوں دسارا جو جگہ کے پار ہوتا (امیر مینائی)

عصری صاحب کے خیال میں حالت کا یہ سلا مصرع مکمل ہی نہیں موزن بھی
ہے۔ اس کے مقابل امیر کا یہ سلا مصرع مکمل تو ہے لیکن اس میں کڑھائی ہے (توحید گنج میں
ذاتی) حالت سے مصرع ثانی میں یہاں مصرع کے مفہوم کو دسترس دیتے ہوئے مزید اثر
کا اضافہ کیا ہے۔ اتیر سے مصرع کو مد نظر رکھتے ہوئے اس تیر کے متسی میں جو جگہ کے پار
ہوتا اس مد کے میں وہ نزاکت نہیں ہے جو حالت کے مصرع کے سرعظا میں ہے۔

عصری صاحب کا دوسرا مضمون اسی رسالے میں "حالت" کے عنوان سے
نفاذ شدہ ہے جو اسے اسی میں انجولہ میں حالت کا یہ شعر سر عنوان قرار دیا ہے۔
پوچھتے ہوئے ایذا و استفادے حسن : دست مومن حصار قرار دینا عاذا تھا
وہ ان حالت کے ساتھ اس شعر کے مفہوم میں عصری صاحب نے اختلاف کیا ہے
اور اپنے مطلب کی تصدیق کے لئے حالت کے دو شعروں سے مدد لی ہے لیکن ان کا یہ
اتنا کھنک نہ گیا ہے کہ اصل مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

ذکر حریف و قوت جو نہ کا تو یور مٹی کے بعد دشمن حیاں ستار اور ہے تنقیدی
ماں نظر و فکر شبہا میں کی رہے موزونہ تقارون تیار نہ مڑتوں کے ساتھ سے
حدید اردو ہفتہ ۱۱۳۵ء ۲۲ - ۲۳

دیکھتے ہیں۔ غلبہ کی تاعری کے دلدادہ ہیں۔ اہل عدل ہے سکون پر غلبہ غالب
 میں غالب کے کلام کا بحر یہ بڑے حسن و خوبی سے کیا ہے۔ ان کے حیاں ہیں غالب۔ درد کے
 عظیم ترین شاعر ہیں۔ ان کے تہ سانی توانائی اور فکر کی گہرائی سے۔ ان نے عربی کا مطالعہ
 کیا جہاں قرآن مجید کی گہرائی سے کہ ان کے کلام میں ادا قیامت پای حافی سے اور س۔
 غالب کے لئے دہنی، حق کو کین چست ہے۔ ان کی تاعری میں ماحی کے تہیدی ورنے ی
 گو بجا حال ہے، بھی شعور کی محک اور مستقبل کے مسائنات کے لغو قیام میں لے لے سہا نہیں
 کی کو قلعہ کی لڑائی میں طو۔ یہ ان تصدیقیت کا تعین کرتی ہے۔ ان کی تاعری میں کلاسی
 اندر کا حسن سمٹ گیا ہے میں دوست دور کے میں رو بھی ہیں۔ ان کے کلام میں تہ رنگ
 اور نظامت مقیہ تہذیب کا ایک پر تو ہے۔ غالب نے ایک وقت اسلام کی تہذیب کی بات
 اور ایرانی تمدن و ثقافت سے ان کا تہذیب کا مطالعہ کیا ہے وہ اپنے علم کے ایک ہم ناز ہیں
 ہی۔ یہی علم وہ کسی تہذیب پر نگہ نہ نظر بھی رکھتے تھے۔ سہوں نے تہذیب کی طرح۔ مدنی
 کے نظارہ کو ہیں کیا ہے۔ ان کے پس منظر میں کامات دادہ و سہ طریق عشق و حب
 میں بیان ہوئے ہیں۔ غالب کے موت و حیات 'وحدت و کثرت' حسن و عشق حید و شہر
 حقیقت میں۔ در زمان و ماحول کے تھا، ان کا کشاکش تہذیب و تمدن کا ہے۔
 ! لڑی یہ تہذیب اس میں صدر تہذیب، روز سہا، ان کا کلکتہ ہے غالب
 کا کلکتہ ہے رشتہ کے حوالہ سے یک دیکھبہ مقام پر تحریر کیا ہے۔ اس مقدمے میں بیشتر دہی
 باتیں بیان کی گئی ہیں جو غالب کے شعر کلکتہ سے متعلق ہیں۔

غالب نے اپنے ادب و خط لکھتے وقت جو فکر کی مدد کر لی تھی۔ میں
 مدد و غالب کے تہذیب میں ولتہ بر خراہہ اصوات کے لئے تھے۔ اس کے وہ پر جو کچھ کے

۱۔ ڈاکٹر حفیظ الرحمن کوثری پورہ پٹیالہ، روہمہ حال ہی میں سرگوشا ہوئے ہیں۔

مشیت محمد زید وستان مرزا (دہلی) (۱۹۵۷ء) ص ۵۶

۲۔ تہذیب و تمدن اسلام، سرمدیہ پشاور، ۱۹۵۷ء، ص ۱۱۹-۱۲۰

نئے وہ قابل برداشت تھے۔ کلکتہ میں ادبی تناسل کی وجہ سے عادی قوافلیں کی بھی خاصی تعداد پیدا ہو گئی تھی کیونکہ شعرا ادب کی دنیا میں قافلوں کے متعلق تھے اور عادت تھی کہ کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ لیکن یہیں مولوی مرزا الدین قصبا خاص دوست بھی حالت کو مل گیا جس نے اس کی مدد سے نعت اور دلجوئی کی۔ حالت اسی وقت بہت بدھوت اور مرچا کی حالت کے تحت کلکتہ میں قیام کر کے باوجود وہ شعرا اور قوافلوں کے متعلق تھے۔ انہوں نے کبھی عادی نثر میں نہایت رک کا اصل متعارف نگار کے خیال میں حالت کے ساتھ کے دیو کا "مرزے میں" کی "سید کے قلم" پر جو خط لکھا اور اسی میں ساتھ ساتھ عری اور فن کی جو مدد سرائی و دولت کے کردہ ایک کراہی ہوئے جو اس کی نظرت اور دنیا کے مادی ہے۔ ڈاکٹر جید نے اس مقالے میں کچھ ایسی باتیں بھی لکھی ہیں جو نظر ثانی کی محتاج ہیں۔ اور بعض کی جگہ تو صرف مفاد غرضیہ سے مدد۔

۱۱۔ "میں نے سمجھا تھا کہ نعت نعتیہ کے مختلف اپنے اس کی طرف اس کے لئے کو دیکھتے، وہی نعت "فہمی سوسلی" لکھی۔ درجہ میں۔ دراصل یہ مشنوی کا سب سے قلمی اس کا سب سے مشورہ پر اپنی صفائی بیان کر کے لکھی تھی۔ اس کا مقصد قوافلیں، نعتیہ طبع کے لئے لکھی تھیں۔

۲۱۔ حالت طبعی کا دوسرا معرکہ، چاہے تھے، بلکہ ہر وقت واسطے ہوئی۔ دراصل، نقلہ کار کی اس تحریر کی کسی اور ذریعہ سے تائید نہیں ہوئی (۱۷۸-۱۷۹) یہ خیال بھی صحیح نہیں۔

۳۱۔ قافیہ سران کلکتہ کے ادبی معرکے کے جہاں میں لکھی گئی۔ یہ خیال بھی صحیح نہیں۔
 دراصل یہ ادبی معرکہ ۱۷۸۷ء میں ہوا اور "قافیہ سران" کی اس وقت تک دنیا میں ہوئی۔
 (۲) مکتبہ ۱۸، جوہر ضلع میں کلکتہ آئے اور ۱۳ اگست ۱۸۸۸ء تک یہاں رہے۔ اس طرح حالت کے قیام طبع کی خدمت تقریباً نو چھوڑ دی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب

سے تین جگہ یہ مکتبہ کے خالق کلمتہ میں دیگر دو سال درجہ (صفحہ ۱۲۰-۱۲۱) پر بیان بھی نظر آتا کا غلط ہے۔

(۵) فاضل حقار نگار کے بقول غالب کی آمد اور ادبی سرائے کلمتہ کا ادبی ماحول نکھر گیا اور معیاری ادب کی تخلیق ہونے لگی۔ اس طرح کلمتہ کو، روایات میں بین الاقوامی شہرت حاصل ہو گئی گویا غالب کے دور کلمتہ سے پہلے یہاں غیر معیاری ادب کی تخلیق ہوتی تھی اور غالب کلمتہ کے قریب دو ادب میں بین الاقوامی شہرت حاصل رہی۔ غالب کے دور میں اردو ادب میں الاقوامی ادب ہی اکبر تھا جو کلمتہ کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی (صفحہ ۱۲۱)۔

(۶) غالب (شہر نگاروں کی رنگینیوں اور تاریخی نشانوں کے جلوے اور اشاروں اور ریشمی مسکراہٹوں میں پیش کاغذ کا نظم ۱۰ اعتراض کی تائیدیں اور معنی لفظی کی تلخ کلامیوں سب کچھ بول گئے تھے (صفحہ ۱۲۱) اگر ایسا ہوتا تو جو وہی منہل حاصل تھا از نگار غالب "بار محافل" اور قاطع ہر ملی کیوں کہتے۔

(۷) کلمتہ میں غالب سے نسخہ کاغذ و تعداد مووی مراج الدین کی سادہ سی ہوئی۔ (ب) جس وقت غالب کلمتہ میں سکونت پذیر تھے، نسخہ سائل پور میں تھے (صفحہ ۱۲۱) اور وہاں باقی رہے ہیں اس لیے کہ نسخہ کی پیداوار ہی اس وقت رہی تھی وضاحت کے لیے یہ بتا دیا جاتا ہے کہ نسخہ ۱۸۳۴ء/۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے، اور غالب کلمتہ ۱۸۳۸ء میں آئے تھے۔

(۸) کلمتہ میں محبوب جھانسی کا دل ڈھونڈتے رہے، مگر دل نہیں ملتا۔ کیونکہ یہ فولادی دل تھا کسی بات سے نہیں ہلکتا تھا اور دلی میں ۱۵ سال کی یاد میں اپنے سر پر تہہ مارتے تھے۔ (صفحہ ۱۲۲) موصوف نے غالب کے ان اشعار کا ترجمہ کر دیا ہے۔
گفتم ایساں جگر ولی دارند ۔۔۔ گفتم دار مدلیک ارہن

گفتم ادیب سرور اور آمدہ ام ۔ گفت مگر تو دوسرے بزرگ بزن

غالب نے جو بات متاعِ آزاد انداز میں کہی تھی، اناصل مقام نگارے شریں
اس کے من کو عادت کر دیا۔ غالب کے محبوب نے سر کو پتھر پر پٹکے کا ستورہ دیا تھا اور
ڈکٹر صاحب نے یہ لکھ دیا کہ غالب سر پر پتھر مارتے تھے۔ جیسے تھری کے عہد وہ
ان کا پس بھی شغل تھا۔

ذکرِ حادیدہ نہال کا ایک اور مختصر مقصد "غالب کا ایک شعر" کے عنوان
سے مجھ دستِ دیزِ گلشن میں تاج ہو چکا ہے۔ ایک خیال میں غالب ایک عہدِ آفریں
شاعر ہیں کہ انکھوٹ، نقدیات و مازو کیجئے اور جس نے مشرقی اور مغربی تدریس کے
اتر ہیجے اسی شاعری کو پرانی قرار دیا۔ غالب کی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا
جا سکتا ہے۔ پہلے دور کی شاعری ظہوری اور بیدار کے برابر تہجد اور ناقابلِ فہم سے
دوسرے اور اخیر سے دور کی شاعری میں غالب کی ادبیت مٹتی ہے۔ زیرِ لفظ شعر
اسی دور سے متعلق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ غالب کے خیادی ادبی رویے میں کوئی خاص
تبدیلی نظر نہیں آتی۔ جس لی وجہ سے بعض مادہ اشعار کے مضامین ذہن کی رسائی
بہت آسانی سے ہوتی ہے۔ جیسے

وہ اور نہ ششِ حم کا کل : میں اور ادیشہ ہستہ اور درہ

اس شعر میں حالت کی صورت بدلنے اسی جمالیاتی صحبت اور کیفیت پر
کریا ہے جو صرف محسوس کی جا سکتی ہے۔ محبوب اپنے کے سامنے کھڑا ہو سے سسورے میں
کچھ اس طرح تجھ سے متاع کے دل میں یہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ اگر اس سے دل
کی توجہ کی نصحت جاگ اٹھے گی۔ یہ شعر صرف پہل مستح کی ایک جھجکاں ہی نہیں
بلکہ غالب کی معنی آفریں کا ایک نمایاں نمونہ بھی ہے۔ یہ مقالہ ڈاکٹر صاحب کے واضح دیکھنا
اور تشنگہ اسلوبِ تحریر کا نمونہ ہے۔

پروفیسر شاہ مقبول احمد (سابق صدر شعبہ اردو مولانا آزاد کالج کلکتہ) نے
 بزرگتوں میں جو بڑی خاموشی سے ادب کا مطالعہ فرماتے ہیں اور موقع موقع سے اپنے خیالات
 کو معیوں کی شکل دیتے ہیں۔ قدیم ادب کے دلدادہ کم سخن اور گہرے شعریں ہیں لیکن مغربی
 ہنگام میں ان کے شاگردوں کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی جو توسیع و اشاعت ہو رہی ہے
 اس کے لئے ان کی شخصیت قابلِ احترام ہے۔ موصوف کی تحریریں کا مجموعہ ”تہذیبی اشارات“
 کے نام سے ۱۹۷۹ء میں کلکتہ ہی سے شائع ہوا۔ اس میں غالب کے ”درد متحرک“ کے عنوان
 سے ان کا ایک مختصر مضمون شامل ہے۔ انمولے غالب کے ان دو شعروں کی ادبی اور
 فنی نقطہ نظر سے وضاحت کی ہے۔

جوئے مر کے ہم جوئے ہوا جوئے کیوں : عرفی دریا
 نہ کہیں جا رہا تھا اور کہیں مزار ہوتا

عوس کو ہے نشاط کا کیا کب
 نہ ہو مرنا تو جسے کامرہ کب

مضوی کے آغاز میں دسویں صدی کے ادبی نقد کے نزدیک یہ امر ملحوظ میں
 ہے کہ غالب کسی مربوط و مسلسل نظام فکر کے خالق نہ تھے جو ان کی دینیات و افکار کو
 بہ تمام و کمال اپنے احاطہ تحیل میں لے لے ہوئے جو اور اس کی مراعت و رعایت کا ترجمان
 ان کا سرعہ رائے تھی جو ”مختلف“ موضوعات جو اردو شاعری کے علم و ادب و معلومات میں
 غالب کی شاہراہ شاعری کے نشانات منزل معلوم ہوتے ہیں۔ انفرادیت بھی ایسی خصوصیت
 نہیں جس کو صرف غالب کے لئے مانتے طور پر خاص خصوصیت کیا جاسکتا ہو۔ ”پرورعیم صاحب
 نے اس تحریر سے لے لیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالب کی عظمت و انفرادیت کے قائل نہیں
 ”اگرچہ یہ لامعتہ ہے کہ غالب کے یہاں کوئی مربوط و مسلسل نظام فکر نہیں ہے تمہیدی

معدہ ہی تھیں جو صوفائے حلیہ کرکے میں کہ "خالت اگر دولت برست نہیں تو آس رہے
 بقدرت قسم کے روایت شکن بھی رہتے اسے خبر کے معاشرے میں جاری دساری
 مفاد و مفاد و مزاج و قدرتی حالت کے قصر تحلی کی اس بات و کائنات معلوم ہو رہی ہے"
 یہاں محمد یارہ طور طلب سے کہ عادت کے نکر و محسوس کے کون سے حدود و حال میں جو چیز ہو
 اور اس کو کمالات و امتیاز عطا کرتے ہیں اور ان کے رتدہ انکار یہ ہے آپ اور ملک
 ے صوبے سے "ایک جین تہا" کی مثال معلوم ہوئے ہیں۔ اصل میں عادت کے انکار
 کے پس پردہ یہ ایسا باغ و معراج ہے کہ دین کا روبرو ملاحظہ آتا ہے وہاں وہاں
 میں ساری بات متنی کا، جسے جمالیات و مذہب رکھتے ہیں وہاں میں ڈھل گئے ہیں
 اور ہر صوفی و مکرر کا معاد میں اور دین میں اور دین میں اور دین سے آئے ہیں
 اور ہر صوفی و مکرر کا معاد میں اور دین میں اور دین میں اور دین سے آئے ہیں
 نہ وہاں، جسے جو مکرر کا معاد میں اور دین میں اور دین میں اور دین سے آئے ہیں
 ہم یہ نکتہ سمجھ لیں کہ یہ بات ہے عادت کے عبادت میں اور دین میں اور دین سے آئے ہیں
 اور میں وضو کے معنی میں ساری بات متنی کا، جسے جمالیات و مذہب رکھتے ہیں
 لائق غفلت۔

کی طرف سے ہر صوفی و مکرر کا معاد میں اور دین میں اور دین میں اور دین سے آئے ہیں
 مسکرتہ ایچ مکرر کا معاد میں اور دین میں اور دین میں اور دین سے آئے ہیں
 رہے ہیں اور دین میں اور دین میں اور دین میں اور دین سے آئے ہیں
 میں عادت کے معنی میں ساری بات متنی کا، جسے جمالیات و مذہب رکھتے ہیں
 خالت کا ایک پہلو۔

جیسے معلوم میں یہ بتایا ہے کہ عادت کے عبادت میں اور دین میں اور دین سے آئے ہیں

تھی۔ لیکن دونوں میں قدر مشترک بھی تھی یعنی مذہبی عقائد پر کڑی نکتہ چینی اور انقلاب
اصلاح معاشرہ کی طرف دونوں کا رویہ ایک ہی تھا۔ مستقین کی زندگی کے بارے میں دونوں
کا زاویہ نظر ایک تھا۔ البتہ سماجی زندگی بسر کرنے میں خالصتہ اور سرسید کا طریقہ کار مختلف
تھا۔ سرسید نے ادب معاشرت اور رسم پرستی پر غریب نگاہیں اور خالصتہ غیر شعوری طور
پر اس تمدن سے ملنے والے رے جو اپنی آب و تاب کو کرب خروپ ہوئے دلاتا تھا۔ غالب کا
سماج کے جس طبقے سے تعلق تھا وہ عدم انحراف کے پابند رہے لیکن شاعری کے باب میں
روایات کی تقلید کو ایک بے معنی مسیجہ سمجھتے رہے۔ وہی سبب ہے کہ رد و تہنوی کی تاریخ
میں ایک شاعر بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا لب و لہجہ اور زبان و بیان غالب کا سا ہو۔
سرسید نے بڑی محنت و کاوش سے انجمن اکبری کی تصحیح کی اور غالب کے پاس تقریظ
لکھنے کہنے بھیجی۔ غالب نے متنوی کی صورت میں تقریظ لکھ دی۔ متنوی کے خاتمے پر
سرسید کی دلت گرامی سے غالب نے اپنی مبارزندی کا یوں اظہار کیا ہے۔

درجہ اول سید پرستی دین تست ۱۰۔ از ثنا بگزر دہا آئین تست

اس کے باوجود وہ اپنے ہیوں ہونے آجیں اکبری میں اسے شامل نہیں کیا۔ اس میں ایک اور
کوٹھن حالی تھا کہ دین گیر جو کیا تھا۔ غالب جب رام پور سے دہلی واپس جا رہے تھے
تو وہ رانا کی حالت میں مقیم ہوئے۔ سرسید کو اطلاع ملی تو وہ انہیں اپنا ہمراہ بنا کر
لے گئے۔ اور خالصتہ کی شرب کی بوتل ایک کوٹھری میں رکھ کر دیا۔ غالب کو وہ بوتل کی تلاش
سوئی تو سرسید نے کوٹھری میں دے جا کر دھوا دی۔ غالب نے سے طوع سے دیکھ کر کہ ”اٹھی“ میں
میں دیکھ نہات ہوئی ہے، نہ سید جس کربیب ہوئے اور اس طرح دونوں کے درمیان جو
تھک جی سترہ جی بند ہو جی سخی، حتم ہوئی گی، اس طرح دونوں کے تعلقات عوار ہو گئے۔

دوسرے عنوان ”میاں علی گٹھ کا ایک سہ“ غالب کے اس میں قہقہے اور ہنسون

مرد کے مصحفیت میں ہے۔ نہ ٹیڈہ لڑوں کے خیال میں غالب دہلیت کا راز کے مدبر میاں

میں سے ملے۔

ہیں اور بھی دیا میں تجھ کو جیت اچھے ۔ کہتے ہیں کہ حالتِ کلبہ اندازِ ہاں اور شعرا کو عام طور پر صرف مدح میں کی تلاش ہوتی ہے لیکن غالب کو مدح میں اور اندازِ بیان دو دھڑ کی تلاش تھی، غالب کی شاعری میں بڑی وسعت ہے نہیں بلکہ نغفلت کے وسیعہ سے ترسیل اس کی خوبیاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اس لئے غالب ایسویں صدی کا مکیے

آج مجھ سے ہیں۔ مرنے میں، شاید سحر کو و خوش گفتار

مجلسِ تعلیمی ہی نہیں، ایک تاریخی حقیقت ہے جہاں تک اردو شاعری کا تعلق ہے ڈاکٹر صاحب موصوفہ کے خیال سے اتفاق کیا جاسکتا ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ غالب کے یہاں "تخلو و سے جو تصویریں اور سبک بستے ہیں ان کی مثال ایسویں صدی کے عالمی ادب میں نہیں ملتی" ٹھیک اندازِ آراء نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں غالب کے طرزِ بیان کا ایک عالمِ ہیو ہے کہ اس میں مدہ بھی مدے والی چیزوں کے پُرہاس اور رسوخ ابھرتے ہیں کہ احساسات کی آنکھیں ان کا مدہ و مدے کے بعد ان کی کم و بیش کیفیت کا اندر و درکنس ہیں "علم مستی" ایک محروم و "عجز فی شمس" لیکناتِ عرکۃ الخیر بیان دے، اسے ایک مادی شکل بخش دی و مری" موب۔

اہمستی کا تہہ سے جو حزنِ حلاج شمعِ سررنگ میں جلتی ہے مگر جو ہے ایک
 مختصر پر رخت کا مریلوں نمودِ ادب کا دیباچہ ایک اظہار کی حیثیت رکھتا ہے
 ڈرامہ جس کے مضامین کا آئینہِ انوارِ ابریتِ محیدہ اور دانشِ جودِ تامل ہے
 لیکن مضمونِ حمدِ طردِ عیب پہ بھیجتا ہے تو یک سیدِ خمِ بوجِ تاس ہے اور قاری کی
 رہنمائی باقی رہتی ہے کہ دیکھ اور جانتے ہو صحتِ سرسبزیاں کے لئے

یاحقہ او یحییٰ (سیرۃ مندر مرقومہ روئے کلکتہ یومیہ منشی) انھار کجی میں الہیہ نیکار

ہی۔ انہوں نے مشاعرے کو جو حسن عطا کیا وہ ان کی فنکاری کی بہترین مثال ہے۔ غالب کے یہاں زندگی سے بے حد محبت کا جذبہ ہے، ان کا اچھوتا اسلوب، لہجہ کی ہمدی میں ہر کام پر معاونت کرتا ہے۔ غالب نے چھوٹی بھروں میں جو غزلیں کہی ہیں وہ تیر کے (سے) استفادے کا شعوری نتیجہ ہیں۔ لیکن غالب کی، حترامی طبیعت اور فکری بصیرت نے اس میں تنوعات کی طنائیں کھینچ دیں اور یہاں بھی اپنی انفرادیت کا نقش چھوڑا۔ لیکن میر کی تادراں کلامی کا اعتراف کیا ہے:

میر کے شعر کا، حوال کہوں کیا غالب

حسن و دیوان گہا ز کشش کشمیر نہیں

”غالب کی عظمت کے عنوان سے داخل مقدمہ نگار نے ان کی شخصیت کا عقدہ کشائی کے لئے کس سہ ماہی بیان کی ہیں تاکہ غالب کی شاعری کا قاری کو دور اک جو سکے مشاعرہ (۱) اور شاعری کو سہا حوالہ عطا کیا (۲) وہ نظام حیات کے سادگی اور جہاں دیدہ تھے (۳) ان کے کلام میں احوال کی عکاسی تھی (۴) غالب ایک نئے شاعر ہونے کے باوجود ان کی بھی تھے جس کے کردار میں خوبیاں اور غامبیاں دونوں تھیں (۵) انہوں نے یہیں نے فیالات لئے، مسلوب اور یکساں نظر دی (۶) غالب کی عظمت کا راز اس بات میں بھی مضمر ہے کہ غالب زندگی کے شدید مصدمات اور سادگی و اہم پر بھی مسکرنے کی حیرت رکھتے تھے حترامی حالت ایک ایسے نابغہ تھے جو اپنی نگر و بصیرت میں اپنے جہد سے اگے تھے۔ انہوں نے باجمہ سے بھی وابستگی قائم کی تھی لیکن صرف حادہ قدروں کے اکتساب کی حد تک، ہم عصر ہیں وہ مومن کی مدد ت فکر اور وقت نظر اور شیعت کے روق شعری؟ ی تنقید سے آشنا (آنگاہ) تھے۔ فارسی شعرا سے استفادہ اور ان کی تادراں کلامی نے تو ان تھے۔ اور وسعت نظر کے لئے بیولہ کے معترف۔ حاستہ، مسلوب و مبین کے ساتھ ساتھ فکر و مومن میں، حب و دیکھا۔ یہی ان کی عظمت کی مشافہ ہے۔ جہاں اور دیکھا

شائع ہوا تھا وہ ہمارا جو پرتاب چند بہادر وائی ہر دو ان کے تابع و مستحق تھے۔ اور
 ہمارا جو اس کو ہر دو ان میں غاری زبان و ان کے دس گیتے تھے یہ ہمارا تیسویں صدی
 کے وسط کا ہے۔ خادم نے غالب کا رخن میں بھی غزل سرائی کی ہے جس سے ان کی تائید
 انکلائی کا پتا ملتا ہے۔ مثلاً: تجھے بے صرف مطلع اور مقطع پیش کیا جاتا ہے ؛
 کور حتم مسکندہ مسکن دریں چو بخت : تنہا دند چو کای برہمن دریں چو بخت
 خادم چہ ہرہ گوئی غالب کہ گفست : ترقی کسی استیک در چو من دریں چو بخت
 دوسری طرف ہے۔

رہلم بُرداغ شد در درہ رارم می توان کشتن

رگشن مرد در ہر کو ہسارم می توان کشتن

مگر یہ تو کسی برہمن چو طالب ای ہمارم

عدا ارحام در زدیام می توان کشتن

ہر ایک آخری طر میں خادم کو دہلی میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ مرزا
 کی فرمائش سے اپنی تازہ عرب سائی، اس کے ایک شعر پر مرزا سے (عاب و دوسرا خوش
 ہو کر منہ دو دو دیساں چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

کس مآرام رہ کر دقت یام نشست : ہر کس ارجیہ تلاش بدل چاک نشست
 بہر تعلیم حیا نش کہ جو آمد نہ ادر : اشکم اور دیدہ رُخ تلمذ ہوا نشست
 خادم ایک دگر از دگر کجا ہی بر قناعت : زیر شمشیر تو ہی قاتل صفا نشست
 خادم نے ہر دو ان آکر جو غزل مرزا کو بھی اس کے درد شعر یہ ہیں۔

ہوئی تہ تحریم جنت آسما کی کندہ مارا رہا رہا بیکوہیم : سر زل تیری پارا
 تھی دہلی دگشت بلخ و سیر بار : ارشاد : چورہ دل یاد آید قہار حامی مرد ہار
 مولانا معصومی صاحب کا ایک اور پر مغز مقالہ "مرزا غالب اور اردو شاعر کا کئی"

میں تمام مدح اور ستاروں کو ان کے کلمے میں مشاعرے کی جگہ کا قیاس کیا گیا ہے جس میں غالب نے شرکت کی تھی۔ بقول غالب معصومی صاحب کے بیان کا خلاصہ یہ ہے (۱) مشاعرہ ہر نگہیری جیسے پہلے انوار کو ہوتا تھا (۷) نشست مدرسہ سرکار گنبدی میں ہوتی تھی (۲) استاد میں اردو نذر کی عزتیں پڑھی جاتی تھیں (۳) جس مجلس میں غالب شرکت کرتے اس میں صغیر حیات بچتے تھے (۴) صغیر حیات نے غالب کے کلام کی جی کھوں کو ادا دی (۵) مقامی شہداء کے کلام پر صغیر زیر لب مسکراتے رہے (۶) مقامی شعرا کو جمعیت انڈیائی پڑی جس کے نتیجے میں غالب ہدف اعتراض بنائے گئے (۷) اعتراض غالب کے دوستوں پر کیے گئے۔ (۸) غالب کی حمایت میں نوب اکبر علی خاں اور مولوی محمد حسن نے جوابات دیے (۹) مشاعرے میں پانچ ہزار کا قیاس تھا۔

غالب کے بعد ان کے معاصرین میں مولوی قمر الدین کے وقت گزرنے سے پہلے ان کی یادیں اور "ریاض الانکار" کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) اسان علی خاں نے ہر پرستار کو غالب پر اسرار میں کیا تھا (۲) محترم حسین بدیع اور حامد تھے اس پر مولانا کا یہ خیال کہ ان کے ساتھ سن و سال اور مرزائے ہند و بنگالہ کو بھی ہنگامہ برپا کرنے میں بیاداری حیثیت دہی سے حمید احمد خان صاحب نے اپنے مضمون میں مدرسہ کلکتہ سے بھی مدرسہ مراد آباد سے - مولانا ابی الکلام آزاد کے حوالے سے لکھے ہیں کہ "مدرسہ اپنی موجودہ طرارت میں سستہ ہو یا سستہ ہو کہ قریب مستقل طور پر غالب کو مشغول رہا اور ان کا ہنگامہ مدرسہ کی پہلی عمر میں ہی پختہ آیا اور سالہ میں طبع کا راز کو پختہ کیا۔ انہوں نے مدرسہ کی لیے کے پرنسپل مولانا محمد یونس کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ جو مشاعرے ان کے ہوتے ان کا ذکر مدرسہ کے کاغذات میں نہیں ملتا۔" یہ دنگل غالب "میں مولانا خاں نے فدا" مدرسہ مراد آباد، دہلی، اکتوبر ۱۹۵۷ء

نئے غالب کا کلمہ مطبوعہ نوکرانہ، روری ۱۹۵۷ء

کھانہ کی سرگراشت میں اس ہنگامے کی جو تفصیل پیش کی ہے وہ مدرسہ عالیہ کے ذکر سے
 غائب ہے۔ (۱۶-۱۸)

مدرسہ سرکار کینٹی مدرسہ عالیہ یا مدرسہ سہیلی کا اطلاق صرف موجودہ مدرسہ
 عالیہ تحفہ کالج پر نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ شیک خادروں یا دیلری اسکولز کے مدرسہ عالیہ
 کے علاوہ فورٹ ولیم کالج پر بھی ہوتا تھا۔ ثبوت میں اس کالج کی مطبوعات اور خطوطات
 پیش کئے جاسکتے ہیں اگر طالب کے مدرسہ سرکار کینٹی سے فورٹ ولیم کالج مراد ہیں تو ہم
 قرائن صاس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کالج کی روایت میں مشاعرہ شامل رہا ہے۔ یہ
 مشاعرہ ہر سال جلسہ انجمن کے ساتھ ۷ جولائی کو منعقد ہوتا تھا۔ سالہ مشاعرے
 کے حدود یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی کالج سے منسلک حفظ شعرا کے انجمن میں ہر مہینے
 مشاعرہ ہوتا جو کالج اور یہ سلسلہ عالیہ کے قیام طلعت کے زمانے تک باقی رہا۔ مزید یہ کہ ہر
 انگریزی مہینے کے پہلے اتوار کو برہم سخن کا آراء کیے جاسکتے تھے اس کے علاوہ اور
 اصحاب میں کے مدھی ماحول اور مدھی مذاق کے منافق ہے۔ مدرسہ عالیہ میں مدھی کے علاوہ
 ہر روز مشمول یک شدہ تعظیم موقی مدرسہ کے کلاش اور کل یا بے استاد یا فطیبت
 اور ایک مؤلفی پر مشتمل تھا۔ ایسی صورت میں ایک جلسہ مشاعرے کا انتظام ممکن رہتا بقول
 عالیہ پانچ ہزار کا مجموعہ تھا۔ موجودہ مدرسہ کے کلاش مدھی صحن اس مجمع کے لئے کافی تھا یہ
 نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ عالیہ نے طلعت لاسر سے مقصد کے لئے کیا تھا اس کی باتیں میں
 کلاس کی فورٹ ولیم کالج کے باب علم و ادب کے دریدی ممکن تھی اور یہ کہ مشغول و ادبیات
 کے معنی جن لوگوں کو سمجھ گئے تھے ان کا تعلق مدرسہ عالیہ کے بجائے فورٹ ولیم کالج سے تھا۔
 مولانا مصلوحی کے مذکورہ استدلال سے انکار و انحراف کی کھاتش ہیں۔

جواب میر طیف، ارحمن مدرسہ عالیہ کلکتہ کے اینٹکلوپر شین سیکشن کے سابق
متاؤتے خاستہ انداز کے معترضین کے عنوان سے مستقل ایک کتاب غالب کے عہد ر
مشن کے موقع پر شائع کی تھی۔ اس میں دوسرا اور پانچواں باب غالب کے فارسی اور اردو
شاعری پر ہے۔ غالبیت یہ تھا جسی زبان کو اسکا سمجھنے کی حیثیت دیتے ہیں۔ لیکن اردو
میں ان کی شاعری کا پسند و نراہی کا دور تھا اور دوسرے دور کامیابی و مقبولیت کا۔
حاصل مقالہ لکھتے ہیں: "اس دور دونوں شاعری میں غالب کے معاصرین و مسلمان
مقتدرین کی رائے اللہ سے متعلق تھی کر دی ہیں اور نتیجہ نکال ہے کہ ان کا زبان فصاحت و
اور مد کے فکر و فن میں بالحدیث اور جھٹکی سے لیکن قدیم فارسی اور اردو شعر کے بل سے
روشنی میں اس کے کلام کا نثر یہاں جانتے تو وہ دوسرے کے کلام سے متغیر و متحرک
مطلقاً ہے۔ اس کتاب کا تیسرا مضمون "غالب کی فارسی دانی" ہے۔ اس میں بتایا گیا
ہے کہ غالب، مرخسہ کے علاوہ کسی ہندوستانی شاعر کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ جسوں
مرزا محمد حسن نقشبوتی، لکھنوی پیر "اور باتائے الفاظ سے یاد کرتے تھے قتل اور عیت بدین
کو حیران و مستحشم لیتے تھے۔ رفتہ کو لکھتے ہیں: "وہ روس سہرستی فارسی سے دلتا
لی مجھ پر سپین، نیو، سلی بھاؤں کی طرح اپنی ترنہ کر دیں، متقدم سمندر میں
استراحت تھے اگر اس کھاراجی و خود مشغول سے اہمیت ہے فارسی یون کی
تقریباً میں میرزا محمد کو نام ہوئی اس طرف اشارہ کیا۔ بے منتقد دہانتے تھے
"سید محمد مولہ و پارسی زبان ہے" میرے صورت اعلیٰ ترک تھے دران کی زبان
ترکی تھی "محمد حسین سرپرستی (مولف سولہ قاطع) کو لغات سے دیکھتے ہیں، حاصل مقالہ
لکھتے ہیں: "اس کا دلچسپ جواب دیتے ہیں کہ اگر ایک ہندوستانی تہذیب کی راہ فارسی راں ہمیں
ہو سکتا تو ایک ہندوستانی ترک زادہ کیونکر فارسی داں ہو سکتا ہے۔
چمن کے سلسلے میں غالب کے کلکتہ بھیجے سے قبل ان کے پہنچنے کے بعد

انھیں بیگ (ادیل) بادشاہ وہابی نے غالب کے خلاف قفسِ مسموم کر رکھی تھی کہ وہ رانگی
اور مہدی ہیں۔ قلیں کو برا کہتے ہیں اور سحرائے کلکتہ کو خاطر میں نہیں مانتے۔ ان کے
عز میں پہلا مشاعرہ ۸ جون توہم کو کلکتہ مدرسہ میں پڑا اور انھوں نے فارسی و اردو
دونوں طریقوں میں غزلیں پڑھیں۔ تذلیل کے بدلے عزت افزائی ہوئی لیکن طریقوں کی
فٹ مدح کی گئی۔ اسی مدرسے میں دوسرا مشاعرہ پڑا۔ پانچ ہزار کا مجموعہ تھا۔ حالت سے
نوشتر کی عرب پڑھی۔ اس شعر پر زمین اتر اٹھی ہوئے۔

جنتِ رحیم و از ہمد عالمِ مبسم : بچو مٹے کہ تار و ریشم ہر جبر
بہسلا کہ بیشک کہ تیر "ہونا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ "موتے ریشم ہر جبر" غلط
ہے بلکہ چور شعر ہے معنی ہے تیر یہ کہ "م" "موتے ہے" اس کے ساتھ "بہ" متعال
درست نہیں۔ شعر میں "موتی و جہت فیضی" احمد علی گوپاٹوی، مولوی
کرم حسن بٹرمی، مولوی عبدالقادر، میوڑی اور مولوی نعمت علی عظیم "دی تھے تیرے
عز حق کا جواب علی اکبر حان در مولوی محمد حسن (میں نے پہلے مشاعرہ دیا اور صدر
میں ہمد و مہدی کے شعر پر بیشک کے "نعمت ہے کہ" بتائے وہ "عز احوال کے جواب کا
جسے میں حق میں نہ کرہ نہیں کیے" خالصتہً اعتراف احوال کا جواب دیے کے لیے
یہ فرمایا "کون قلیل و کثیف مرید" دکانگری بچہ میں میں دروب۔ کو کیوں صدر سے
لگا "قلین کے معتدبر کی جی جی تھیں تعداد تھی" حالت کے طرز میں سے۔ فعل بیگ کے
پر دیگندے کی حقیقت ثابت ہو گئی۔ تیسرے مشاعرے میں غالب نے جو عز پر بیشک اس کے
ایک شعر پر اعتراف ہو کر "روئے" میں اصافتی کیسے؟ حالت سے "موتی و کثاف"
میں جواب دیا ہے کہ "نورہ" میں کسرہ "پائے وحدت" کی دعا ہے۔ تھویر سے
شور، نئے نقار تھی تر گان دارم : طہر سے بے سرو سامانی طوہار روئے

یہ مقالہ نگار کے بیٹوں عقیقہ گوشت سے شیرازہ اصفہان کی ایرانی بچے تھے۔ ملک احمدی، قادیان کا مستند
فارسی دان تھے کے لئے گوشت کے بددستیاں باب کا ترک کو بوجھ کر نہ دے سکتے تھے۔

خاتبہ نے سب سے متاخرے میں پہلے اعتراضات کا جواب دیا چاہا اور دانی ہرات کے مفید کفایت خانہ نے ان کی تحسین اور صلاحیت کی لیکن کفایت خانہ سے متعلق چند مختلف خطوط میں ان کے مختلف بیانات ملتے ہیں اس لئے ان کی شخصیت خاتبہ کے دہن کی تخلیق معلوم ہو رہی ہے۔ حالات کے اعتراف میں یہ کہتا ہوں کہ کسی اور ذریعہ سے تعین نہیں ہو سکتا۔ خاتبہ نے وہاں علی اکبر کے شوق پر ایک مثنوی "اشقی نامہ" (بدو مخالف) لکھی جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس سے پہلے جوئی تھا تا کہ ان کے خلاف سزا دی ہوئی آگ سرد ہو جائے۔ مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ کچھ کے علاوہ بعد پاک میں غازی کے دانشمندیوں اور فارسیوں نے خاتبہ کے کام پر اعتراضات کئے ہیں جو اس کا پتا چلتا ہے کہ خاتبہ کی فارسی دانی قہر و تقلید ہیں۔ وہ اس کچھ میں رضاعی و مستحب جیب خاتبہ کا مقدمہ پیدا ہوا اس لئے کہ تو اس کے اندر یہی دور نگاہ سمجھ کر نہ رکھی۔

اس کتاب کا چوتھا باب "طالع برہان کا ہنگامہ" کے عنوان سے بہت دلچسپ ہے۔ محمد حسین بن علی تبریزی کی حرریت "برہان طالع" کے خلاف خاتبہ نے طالع برہان میں ایک سو سات اعتراضات کئے ہیں جن میں ایک سو تیس غلط ہیں اس کے علاوہ خاتبہ ہندوستان کے فرسنگ و میوں کو فرستہ سمجھتے تھے اور محمد حسین تبریزی کو عقارت میر سبجے میں "دکن" سمجھتے تھے۔ خاتبہ کے خلاف اس سلسلے میں تمام ہندوستان میں کتابیں لکھی گئیں پھر خاتبہ کے طرف درود لکھا گیا جواب دیا۔ آخری کتاب آغا احمد مصطفائی رائے پور نے "تائید برہان" لکھی جس میں درود لکھنے کے علاوہ خاتبہ کے تمام اعتراضات کا مدلل جواب تھا خاتبہ نے یہ کتاب دیکھی بغیر مصطفائی کے خلاف ایک اہم کتاب "میز قہر لکھنؤ" میں بھیج دی۔ اس پر خاتبہ اور مصطفائی کے شاگردوں میں مظلوم مبارزہ شروع ہو گیا پھر خاتبہ اور مصطفائی کے درمیان بھی کتابی صورت میں اعتراضات و جواب کا سلسلہ رہا۔ مقالہ نگار نے ان تمام کتابوں اور ان کے مصنفین کی تفصیلات بیان کیں ہیں اس کا مطالعہ معلومات افزا اور عبرت کاور ہے۔

اس لئے کرپڑے گئے۔ لوگوں نے کسی کسی گائیڈ کی گایاں دی ہیں۔ آخر مولوی امین کی کتاب "تاریخ القحط" کی فطرت نگاری کے خلاف غالب نے مقدمہ دائر کر دیا۔ لیکن کچھ سیدہ لوگوں کے انداختہ کی بن پر صافحت ہو گئی۔ اس کے بعد مرزا قحط "اقد قحط بر بان" پر مختلف لوگوں کی رائیں نقل کی گئی ہیں۔ آخر میں بہکت یہ جان بوجھ کر پوری کتاب میں مصنف کا انداز بیان غالب کے ساتھ معادلات ہیں تو مصنف نے بھی ہنس بیٹھے۔

لطیف الرحمن صاحب کلک کتابچہ "غالب سرائے" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ جس میں غالب کی تعریف میں رہا ہوا ہے۔

استاد مکرم ڈاکٹر شکت سرمدی شرقی باغی کے علاوہ صاحب کے محقق و درسیات کے ساتھ تھے۔ صاحب کا نوخیز سٹی میں کچھ برس درس دتہ دیو کے بعد اردو دتہ بورڈ میں مدیر کی حیثیت پر تشریف لے گئے۔ ان کی کتاب "غالب" فکر و فن میں سات مقدمے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ بسلا سلا "غالب محقق کی حیثیت سے" ۱۲۸ صفحے پر مشتمل ہے۔ خاص عید نو دور صاحب نے علی گڑھ یونیورسٹی (غالب نمبر ۱) میں "غالب بحیثیت محقق" کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا تھا۔ اس میں غالب کی لغوی، ادبی، فنی، تاریخی اور مذہبی معلومات کا جائزہ لیا ہے۔ قحط صاحب کو صراحت ہے کہ "غالب شاعر الٹ پر داز اور دیب تھے۔ زبان دانی اور تحقیق لغت سے ان کو کیا تعلق؟ ان کے ہمعصر اور پیش رو بھی بذات فی فارسی دان، فارسی دانی میں ان سے ہر جہت بہتر ہیں۔ سرمدی صاحب نے ان اعتراضات کا جواب ذیل میں حصوں میں جائزہ لیا ہے۔ (الف) ایرانی قدیم کی زبان ادب و تاریخ سے غالب کی واقفیت (ب) غالب کی زبان دانی اور فارسی، ادب فنی اور شعریہ باختری (ج) غالب کی معلومات عامہ۔ ملحد یہ ثابت کرنے کا کوشش کہ ہے کہ قحط صاحب کے تمام اعتراضات صحیح نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سرمدی صاحب کے مقدمے کی اشاعت کے بعد سے مطلوبہ نکل پاکستان رگس ترقی اردو اکادمی (۱۹۷۱ء) نے دی گئے ہیں۔ غالب کی

تافنی صاحب نے اس کی روشنی میں اپنے مضمون پر نظر ثانی کی اور ترمیم و ترمیم کے بعد دوبارہ نقد غالبیت میں سے نتائج کرایا۔ سرکاری صاحب کے دقیق اور بصیرت اور بحث کو سمجھنے کے لئے علمی استعداد اور ہر دو قسم کی ہر دو قسم ہے

”دال محمد فارسی میں“ اس کتاب کا دوسرا مقدار ہے، وہ دوسرے ہیں کہ فارسی باب در لغت کی دیکھیں پر غالب کو جو کمال حاصل تھا۔ اس کی شاعرانہ چمکنے رہا۔ غالب نے دے دے میں گزشتہ پیر رفیق دیوڑھا ناگر دے لکھا جاتا تھا عالتسے مقرر اس کی کہ وہ ”غریب ہے اس لئے“ دے لکھ در مست ہے، غالب کے علاوہ ہنگام ہو لیکن وہ اس کا ثبوت دے دے اس کے لئے کہ مطلق رہے۔ برصید کے تاجل احقر المحقق اکر عہد استارہد مقررے غالب کی اس تحقیق کو مدد قرار دیا۔ ڈاکٹر سرور کی نئی دستہ کی موافقت میں سرتا اور سنا پہلوی قدیم فارسی کی گورنر اور میری دیگر ایرانی ماسکات بیات کی تحریر سے بتات فہمے کہ ”دال“ کا وجود فارسی میں نہیں اس لئے غالب کا خیال درست ہے۔ پورا مقالہ بیات کے دقیق مباحث پر مشتمل ہے اس لئے اس کا مطالعہ اور اس سے استفادہ ہر شخص نہیں کر سکتا۔

ڈاکٹر سرور کی کامیر مقرر ”میر و غالب سے“ راجل سرور کی صاحب کی کتاب ”طہر کا غالب“ پر ترجمہ کی کہ طویل مقرر کا جو سب سے اس تجرب میں اثر صاحب نے میر کو غالب پر ترجیح دے دی سدا اختلاف کا سب سے سرور کی صاحب نے مختلف ملامت سے یہ ثابت کی ہے کہ شعر کے لئے سرور کا سب سے۔ اور طہر کے لئے فکر دطر سرور دکن کے مقرران سے نصف۔ فارسی وجود میں آتی ہے غالب کی تدریس و محنت کا کھار فلسفہ فکر دطر درم عر۔ سرور کا سب سے۔ وہ میر کو بھی ایک عجیب مقرر دے میں لیکن اس سے ترجیح دیتا ہے۔ کہ کتاب کا جو تھا مقدار ”غالب“ نہ میر کے ”طہر“ سے بہت عمارت تاریخی اور ادبی مباحث سے اس سے پیش کر رہے ہیں عالتسے طہر کا یہ مقررے جو ہندی ”مستفی

نے خطوط عالتسے، مرتبہ، پیش برشار

ممتاز علی جان کے توراہم مطبع مختاری میرٹھ سے شایع ہوا (۱۸۶۸ء) میرٹھ کے ایک مسکن فہم
 منشی احمد حسن شوکت نے غالب کے بارود و یوں کی مکمل اور جامع شرح لکھی۔ میرٹھ میں غاسک کے
 تین قابل محرتاگر تھے۔ شیخہ، اسماعیل میرٹھی اور حکیم فیض الدین رکن، رنجے کے نامور است کا
 ایک تذکرہ ۱۸۶۴ء میں میرٹھ سے شایع کیا۔ غالب نے کم سے کم تین مرتبہ میرٹھ، سفر کیا اور شیخہ
 کے مہمان رہے۔ غالب نے برہان قاطع کی تردید میں قاطع الفاطح شایع کی تو مرزا مہم بیگ
 میرٹھی نے احمد کے جواب میں "سابقہ برہان" لکھی۔ اس کی یادگار سے "حزب التفرقہ" ایک تذکرہ لکھا
 ہے۔ میرٹھ میں غالب کے کئی اصحاب تھے مثلاً منشی ممتاز علی جان، نواب معطی قاسمی، منشی
 مدام، اسم اللہ، حکیم مدام مولانا تعلق، اور حکیم عبد علی ستر۔

اس کتاب کا پانچویں مقلاد غالب کے بارود و غلام کی (انعامات) سے متعلق ہے اس میں غالب
 کے ارد و کمال کی بیجا شاعریوں سے کٹ کر گنبد ہے، اسکی انعامات غزلوں میں میز و مباح رہیں سے موزوں ہوں
 دوسری انعامات غزلوں میں مطیع دار اسلام دوسرے، اس میں وہ اشعار بھی اچھا ذکر کرتے ہیں تو
 اس وقت سالکہ کے حرم میں غالب نے کہتے تھے۔ کلا رطب کی بوسہ کی انعامات مطیع احمدی شاعر وہ رہی
 سے غزلوں میں موزوں۔ یہ کسی قدر ممکن ہے اور اہم بھی۔ مکمل یوں کہ اس میں ۱۰ کے قریب اشعار
 ہیں، ورنہ ہم اس سے کہہ سکتے ہیں اسی پر بھی ہیں۔ دیوان صاحب جو تھی، رشتہ دار میں مطیع
 لکھ کی کاچوہ سے شایع ہوا اور پانچ یا مطیع غیر ذلالت آکر سے غزلوں میں میں غالب کی دولت
 چھ سال سے۔ اس کتاب کے آخری دو مقدمے غالب کی شخصیت اور غالب کے گھونگٹائے میں
 مختصر ہیں۔ مگر بقول مصنف اس میں جو بحث ہے اس کا اور سرور است غالب کی شخصیت اور اس کی سرتو
 کردار کے نمایاں بیانات سے ملے ہیں۔

کلیم سسرانی نے بت اور نکال پر جو کچھ لکھتے ہیں، اس کی مثال یہ کتاب ہے۔ اس
 موضوع پر دلچسپی رکھنے والے اس باب میں خود ہی۔ نے قائم کر سکے ہیں۔
 یہ سہوکت ہستے، قاطع برہان، حونا جاسیے

غالب کے ایک حریف

غالب کے ایک حریف سے میری مراد آقا احمد علی، صفائی کی شخصیت ہے جسے گزشتہ
 یعنی اُس کے گورنر کی ولادت کا شرف حاصل ہے۔ جہاں وہ دسویں سوال نمبر ۵۵ میں
 پیدا ہوئے۔ ان کا تاریخی نام مظهر علی ہے جس سے ۱۲۵۵ء نکلتے ہیں۔ یہ امرنی خاندان
 اصفہان سے ہجرت کر کے مارہ شاہ کے ساتھ ہندوستان آیا اور بنگال کو اپنا وطن بنایا۔
 احمد علی احمد علی اپنے آپ کو اصفہانی سمجھتے ہیں، لیکن بعض نہیں جانتے کہ ان کا نسب
 سے جہانگیر گویا نکلتے ہیں۔ آقا احمد علی کے والد کا نام آقا شعیب علی اور دادا کا نام
 آقا عبد العلی تھا۔ ان کے دادا کا شمار ہے جہد کے مشہور خوشنویسوں میں ہوتا تھا۔
 آقا احمد علی نے عربی اور فارسی کی تعلیم ڈھاکہ کے صاحب استغداد اور قادر اللکلام شاعر
 خواجہ احمد اللہ کو کتب سے حاصل کی۔ آقا احمد علی کو مولانا علی نے احمد علی سیکسٹر در
 تاملی احمد میاں، اختر جوہار گویا بے پوفیر مگر کئی کئی کتابیں خود درست نہیں۔ انیسویں صدی کے
 وسط میں کلکتہ میں مکر علم و ادب تھا اور نسبتاً اُس کے سے زیادہ وہاں جاری کا جرح تھا۔ اس
 لئے احمد علی اصفہانی ۱۸۹۲ء میں اُس کے سے کلکتہ منتقل ہوئے، اور اپنے نام کی مناسبت
 سے وہاں "مدیر مدرسہ احمدیہ" کی بنیاد رکھی، اور وہیں تعلیم قدیم کے مسائل میں مہم
 جوگئے۔ ۱۸۹۳ء میں پروفیسر کاول (COWELL) کی سفارش پر مدرسہ میں یہ کلکتہ

یعنی کلکتہ مدرسے میں بحیثیت مدرس فارسی الہ کا تقرر ہو گیا۔ وہ ایشیاٹک میوزیم میں شامل
 کلکتہ کی عربی فارسی مطبوعات کے ایڈیٹر بھی تھے۔ انہیں فارسی زبان و ادب پر خصوصیت
 کے ساتھ جیسا محور حاصل تھا اس کا اہل ذہن و ایمان کی تعریف بہت آسان اور
 استغناء کی ہوگی۔ برصغیر اور مشرقِ شرقِ وسطیٰ کے مسائل نہیں۔ الہ کے علاوہ آقا احمد علی نے
 منتخب التواریخ، اکبر نامہ، مسکنہ، مائتہ بحری، اقبال، ماورجہاگیری، مائتہ لکیری اور
 دین و دین کی بھی تصحیح کی جو ایشیاٹک میوزیم کی جگہ کی حروف سے شائع ہوئی۔ بقول
 بلاغی، آقا احمد علی اصحاب کا استغناء ہمارے عارفانہ میں چھٹی ربیع الثانی ۱۲۹۰ھ
 (مطابق جون ۱۸۷۳ء) کو دہلی میں ہوا۔ انھوں نے وقت الہ کی طرف ۳ سال بھی گویا
 غائب کے مقابلے میں علم کے لحاظ سے روحان تھے۔ وہ انھوں نے اصل حق آقا احمد
 ساریخ و ذات کبھی محمدی ۱۲۹۰ھ ق نکلے ہیں۔ ان دونوں حضرات کے بیان میں اختلاف
 نہیں لیکن بدھن کا بیانیہ و غیر معلوم ہوتا ہے کیونکہ محمدی سہ پجری دینی کے ساتھ
 ساتھ چنے اور تدریج کا بھی تعلیم کیا ہے۔

قالب کی جد آریک شخصیت اور شاعر عظیم الہی جگہ تسلیم لیکن آقا احمد علی
 اصحاب کی علمیت و صلاحیت، نکتہ رسمی اور دقیقہ سنجی، فارسی دانی اور تحقیقی روش کا فی
 علم عربی پر قدرت اور مطالعے کی وسعت سے انکار ممکن نہیں۔ ڈھاکہ کے دوستوں
 اہل علم یعنی صاحب مقدر، صاحب فراس، سید محمود آزاد، جہانگیری اور ان کے چھوٹے
 بھائی سید محمد آزاد (اور صاحب کے نورتن) احمد علی اصحابی جی کے تربیت یافتہ تھے
 اور مشہور مستشرق بلاغی بھی انہیں کے شاگرد تھے۔ آقا صاحب عبد الغفور نساخ
 ہم عصر وہم مذہب تھے۔ ممکن ہے کہ ان تمام اہل بیت کے باوجود آقا احمد علی کو محمد دوم
 طبقہ سے جانتا ہو لیکن مرزا غالب کے ساتھ ان کی علمی معرکہ رانی نے انہیں ہندوستان
 گیر شہرت اور اہمیت بخشی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دوران جب مرزا غلام قزوینی گولہ شکن ہو چکے تھے، انہیں مرزا محمد حسین تبریزی کے فارسی لغت برہان قاطع کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اس میں بعض اعداد نظر آئے، چنانچہ ان اعداد کا کوئی کتابی صوتہ بھی مرتب کر کے اس کا نام قاطع برہان رکھا۔ چند سال بعد ۱۸۶۵ء میں تصحیح و تصدیق کے ساتھ اس کی دوسری شاعت درفش کاہی کے نام سے شائع ہوئی جو دوسری حدیث الغفور ستر در کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"اس دوا مدد گد کے دلوں میں چھاپے کی" برہان قاطع میرے پاس تھی۔ میں کو میں دیکھ کر تاحق۔ ہزار ہا لغت طالع ہر برہان لغت ہر رت بلوچ، اشارات یاد دہی، میں نے سور و صوت کے خدائے کر یک محو و سب سے اور قاطع برہان اس کا نام لکھتے ہیں۔"

میں میں شک نہیں کہ مرزا غلام کو فارسی زبان و ادب پر مڑ عبور تھا اس بات میں طبعی مطابقت تھی۔ اس لیے قاطع برہان کی ترتیب و تدوین میں انہوں نے اس کو مدد دے کر دے کی کتب سے دوق و درجن اور مدق و جہاں پر مشور کیا۔ معنی سر کو پال لغت کو یک خط میں لکھتے ہیں۔

فارسی میں میدانِ ادب میں سے نئے در دست گاہ ملے ہیں در اس پر پائے کے فوہد و خفا بطیرے غمیر میں اس طرح جائزہ میں جیسے نور میں جو ہر۔ بل فارسی میں اور بھی میں در طرح کے لغت ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران و میر اسد و ستان اور میرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے سو دوسرا چار سو تھوڑے برس پہلے پیدا ہوئے ہیں۔"

غائب کی قاطع ہر بار ۱۸۶۲ء میں شائع ہوئی۔ اندر تحریر چاہی شروع وود
اس میں ہندی نثر ادب کا فہم و فہم کا حقارت، امیر طویر پر ذکر کیا گیا ہے اس کے خدایہ
کے خلاف مخالفت کی آگ کوڑا کی اٹھی۔ یہی لفظ کلک ایک حمد و درجہ بلکہ اس کے پورے
مندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۰ء میں اس کا سلسلہ جاری رہا۔
اور سو فک و مخالف نمازوں سے گفتگو تحریریں وجود میں آئیں۔

مخالف کتابیں

۱۔ صالح سرمان (میرزا جیم بیگ میرٹھی)

نامہ غالب (۱ لکھنؤ)

۲۔ قاطع القاطع (راجہ ادریش دہلوی)

دافع مزاح (میرزا جیم بیگ میرٹھی)

۳۔ محرق برہمن (میرزا جیم بیگ میرٹھی)

لطف لطیف (راجہ ادریش دہلوی)

راجہ ادریش دہلوی

سوالات حمد و کفر (میرزا جیم بیگ میرٹھی)

در اصل در تمام حالات

قدح و تادیب (میرزا جیم بیگ میرٹھی)

۴۔ مؤید برہمن (راجہ ادریش دہلوی)

مناظرہ دل آشوب (میرزا جیم بیگ میرٹھی)

۵۔ بیخیر تیر (راجہ ادریش دہلوی)

(راجہ ادریش دہلوی یا تیرا روکی و لکھنؤ کی کتاب)

۶۔ تمثیل تیرا (راجہ ادریش دہلوی)

ان تمام مذکورہ کتابوں پر تنقید و تمجید میرزا جیم بیگ میرٹھی نے کی ہے۔

اللہ اکبر کہ میرزا جیم بیگ میرٹھی نے اس ادبی سراج کا حاکم رہن میں آج ہے۔

البتہ اس سلسلے کی اہم و قابل قدر کتاب آقا احمد علی کی مؤید برہمن ہے۔ جسے اظہار و کلام

سمجھنا چاہیے۔ مؤید برہانی محمد حسین ابن خلف تبریزی کی تہران طبع کتاب تائید میں کسی گئی۔ در
 مطبع مظہر العجاائب کلکتہ سے ۱۲۸۲ھ (مطابق ۱۸۶۶ء) میں شائع ہوئی یہ کتاب ارد
 نامہ پر مشتمل ہے۔ اور اس کی صفحات پورے پانچ سو صفحے پر مولوی احمد علی نے اس کتاب کی
 ترتیب دینے میں ایسا محکم موصوئی شکل کا جو رکنبہ دکن گال ڈالا اور جس کا دش
 سے تحقیق کا حق راکی وہ انہیں کا حصہ تھا۔ تمام ناقدین اور غالب کے معقدین و موافقین
 بھی اس کی عظمت و اہمیت کے معترف ہیں۔

غالب نے اپنی کتاب فاطمہ برہانی کو سمجھنے کے لئے جو معیار قائم کیا ہے اس کی
 وضاحت میر جہدی بحر دہلی کے نام ایک خط میں یوں کرتے ہیں،
 ”یہ یاد رہے کہ جو صاحب اس کو دیکھیں گے ہرگز نہ سمجھیں گے۔
 عرب برہانی فاطمہ کے نام پر جاری دینگے۔ کئی باتیں جس شخص میں
 جمع ہوں وہ اس کو ملے گا پہلے تو عالم ہو۔ دوسرے فن لغت
 جانتا ہو۔ تیسرے فارسی کا علم ہو اور اس زبان سے اس کو لگاؤ ہو
 اساتذہ فلسفہ کا کلام سمجھا بہت کم دیکھا ہو اور کچھ یا بھی ہو جو تجھے
 منصف ہو۔ نہ صرف و نہ کو باہوین طبع سلیم اور ذہن مستقیم
 رکھتا ہو۔ معراج فہرستیں اور کچھ فہم نہ ہو۔ یہ پانچ باتیں کسی میں رہا
 جمع ہوں گا۔ اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا۔“

اگر انھوں کی روشنی میں غالب کے مجرہ معیار کا جائزہ لیا جائے تو عجیب طور پر
 کہہ جا سکتا ہے کہ انھوں نے احمد علی اصغرانی میں یہ پانچ باتیں موجود سمجھیں اور وہ غالب
 کی فاطمہ برہانی کو سمجھنے کے لیے بھی تھے۔ مرزا کا یہ مضمون کہ یہ پانچ باتیں وہ کسی میں جمع ہوں
 گے اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا۔ یا لہندی معیار کا تقاضا ان کے لیے درست
 کی افتران تھا جس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہو گا کہ وہ احساس برتری میں مبتلا تھے۔

مرید یہ کہہ گئے کہ دوران قیام ۱۸۲۸ء میں جو ادبی حلاوت مرید کے ساتھ پیش آیا تھا اس کی بنا پر مشکل ہوا۔ ان کے خلاف ان کے مراجع میں ایک سختی سے جید مولوی تھی اس سے مولید مریدان کی اشاعت کی اطلاع ملنے ہی اس کے خلاف درجی سن و معائب کا مدارہ لگائے بغیر مرزا غالب نے آقا احمد علی احمد خاں کے خلاف ایک طویل قطعہ لکھ کر انہیں بھیج دیا۔ اور ایک ایسے مثنوی کی تیار کر کے دی جس کی حوالی اپنی صمیمی در حدت کی وجہ سے ذکر کیے۔ مرزا غالب میر حسیب اللہ در کا کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"ایک دوست نے لکھتے ہیں، اطلاع دیکھ کر مولوی احمد علی درجی

مدرسہ لکھتے ہیں ایک رسالہ لکھ لے اس کا نام مولید مریدان ہے۔
اس رسالہ کو بیچ گئے ہیں تیرہ سو روپے اور حق تو تو نے دیکھی (محمد حسین
تبریزی) پرکے ہیں اور تحریک برکھ عزت و ادب کے ہیں اور علی علیہ
اور شعرائے لکھتے نظر نہیں اور تاریخیں بڑی دھوم مے لکھی ہیں
بس بھائی میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر بھیجا یا اور کسی ورق
اس دوست کو اور دو چار قلمیں ترش کا دیانی غلط وہ اور اراق
لکھ بھجور نہ لے اس قطعہ کے چند شعروں سے غالب کا لب و لہجہ
ملاحظہ فرمائیے۔

مولوی احمد علی احمد خاں	ورخصوص گفتگوی پارسی اشاکر است
نہیں توام پوروی دی و پشت قتل	پیشوائ خوش بند را نہ را کردہ است
خواجہ راز احمد بانی بوروب آنا چہ سود	خالفش دیکثیر حوکار پید اگر است
صاحب علم و ادب لکھ را اراط غیب	چو سفید دفتر تعریف و دم واکڑہ است
زشت گنم یک وار بندہ سخی را نہ ام	توخی طبع کدو ام ایس نقاصا کرناست
انتخاب جامع برهان طالع می شد	آنچہ ماکڑم بلائے عوجہ مارا کرناست

یہاں تیسرے شعر کا دوسرا مصرع تو جملہ غائبیہ غالب فرماتے ہیں :

”فی نقش در کشور بنگالہ پید کردہ است“ یعنی احمد علی اصفہانی کی پیدائش ملک بنگال میں ہوئی۔ فارسی میں لفظ ”پیدا“ تولد یا پیدائش کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ ہر بادستیا بک کے معنوم میں استعمال ہوتا ہے۔ غالب کے مافی اقصیٰ کی وضاحت کے لئے فارسی میں ”آفریدن“ خلق کر دینا اور پورا کر دینا عام طور پر مستعمل ہے۔ غالب سے یہ تسامع غالباً اردو کے زیر اثر چل رہا ہے۔

اس قطعے کے بارے میں جناب سید قدرت الحقی فرماتے ہیں ”در حقیقت مؤید برہان جیسی کمی کتا ہیں بھی جس تاثر میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں“ ”تحلیق و تحقیق“ دو لگ لگے چیزیں ہیں۔ ان میں قدر مشترک کی تلاش اور متقاطعات سب نہیں۔ پھر یہ کہ یہ قطعہ غالب کی کوئی اہم تخلیق نہیں اور نہ اس کا تعلق حسن سے ہے اور نہ تاثیر سے۔ بلکہ ادبی نزاع کی حقیقت کا اظہار ہے۔

مرزا غالب کا یہ استدلال کہ مولوی احمد علی کے تاج و تہ و اصفہانی تھے لیکن ان کی پیدائش بنگال میں ہوئی۔ اس لئے ملازمتی زبان پر نظر نہ کرنا ان کے لئے بجا نہیں۔ کون جانتا ہے کہ نیسوں صدی کے وسط میں جب بنگال میں فارسی زبان واریا بکھرتا تھا، احمد علی صفائی کے گھر میں فارسی ہی بولی جاتی ہو، کیونکہ تاج بھی ایک سو سال سے نیاوان کا مرکز گردے کے بعد ڈھاکے میں ایرانی الاصل سائنس دان مشائیر زئی، اصفہانی اور مذہبی دالان کے ایرانی ہی رہنے کے بعد غنی انصاری آدیس میں فارسی بولتے ہیں تاہم غالب ریاست مرہٹہ میں غالب درملے میں :

”اگر کوئی مجھ سے کہے کہ غالب تو ابھی مولدہ دستاں ہے میری طرف سے جواب یہ ہے کہ مولدہ ہندی مولدہ اور فارسی زمانہ ہے“ :

ہرچ از دستگہ پارس بر بغض بردند

تا بنام ہم از ان جملہ زیانم و اوند

ربان دلی فارسی میری ازلی دستگاہ اور عطیہ خاص بنوختا اللہ

سہ فارسی زبانی کا مسلک تھا کہ جو حدانے ویسا ہے، عشق کا کمال میں ہے

، ستارے حاصل کیے ہیں۔

عالم کے مذکورہ بالا قطع کے جواب میں آقا احمد علی اصفہانی کے شاگرد مولوی

عبدالمحمد قدس سرہ نے ایک لطیف قطع کہا اور بحث کا سلسلہ نشر سے نظم کی

طرح مستقل ہو گیا۔ قطع کے قطعے سچے اشعار درج ہیں۔

دید چو عالت مؤید "ن کتاب را جواب کش بعد تحقیق، مسداہری ما کردہ است

گفتگو بالای طق از، صل حضور کتاب ہرہ گوی ہرچہ در دہی با کردہ است

من یکم بہ طبع محمد اور شعر نام من خدا شہر بہت اولم از دوقی کردہ است

من یکے رکشتہ دی خدمت منی احمد جوں مدیدم معر من ای شکوہ ہی کردہ است

منک اور دہم، کار کی کہ مرزا کردہ است رشک اور دہم کار کی کہ خدا کردہ است

میرزا را دینجہ، جو دینا با چہ سودہ خالق اور جواب ملک جدید اگر کہ است

یہاں پیدا کردہ است کے سلسلے میں قطع سب سے بھی وہی نظم، قطع ہے جس

کا ذکر ہم نے عالم کے قطع میں کیا ہے۔ لیکن یہ معروضے اسی طرح دیتے ہیں۔

عالم کے شاگرد یا قری علی باقر، رومی اور خواجہ محمد الدین حسین کشمیری دہلوی نے

انک الگ جدا سلسلے کا جواب قطع کی صورت میں لکھا پھر وہاں سلم ٹھہرے تیغ تیز تر

کے نام سے اس کا مضمون جواب دیا۔ چونکہ اس سے پہلے مرزا عالم نے "مؤید سرمان کے

جو بند ہیں جو تیس مضمون کا ایک درود تیغ تیز کے نام سے ۱۸۶۸ء میں ترتیب دے کر

نشر کیا تھا۔ اس لیے قدر نے اس سے ماخذ انھیں کر کے قطع کا نام "تیغ تیز تر"

رکھ کر رکھ کر۔ مرزا غالب اپنے رسالے "شیخ تیر" کی تہذیب میں آقا احمد علی اصفہانی کے علم کا یوں اعتراف کرتے ہیں:-

"عربیت میں امین الدین سے بڑھ کر فارسیت میں برابر محسوس

نامزد آگئی میں کم تر یہ حقہ القادریہ کے ہیں وہ چون چوبیس برس

واسطے استعمال کئے تھے، یوحنا مائت نے احمد علی کے عہد جو

دست نام طراز کیا کہ اس کے بارے میں کچھ نہیں فرماتے۔"

غالب کے رسالے "شیخ تیر" کے جواب میں احمد علی اصفہانی نے ایسا رد

"شمس تیر" ۱۸۶۸ء میں لکھتے سے شائع کیا۔ جس کی صفحات ۱۲۲ صفحات ہیں۔

اس نیز قاطع بردہ کی محنت کا حاتمہ جو اکیس گانہ روں غالب کافی ضعیف ہو چکے

تھے۔ ادبی مصاحبت سے زیادہ، نہیں صمانی محنت کی فکر تھی۔ آخر کار ۱۵ فروری

۱۸۶۹ء کو مرزا وفات پا گئے۔

مولانا حاتم لکھتے ہیں کہ ایران کے مشہور محقق و پس رہا تہذیب نے اپنی مرسلہ

ماہری (مرسلہ) ان کے بارے میں "مطبوعہ ۱۸۸۸ء" میں بیان قاطع کے الفاظ میں روشنی

ڈال دے اور جو طراز احمد مرزا نے مرسلہ میں دے دیے ہیں ان کی بھی جہت مرسلہ ماہری سے

تائید ملتی ہے۔ تہذیب جو مرسلہ کے برادر مرسلہ کے مرسلہ کے مرسلہ کے مرسلہ کے

ساتھ مرسلہ کا سا اندیشہ شائع کر دیتے اور یہ اب جو مرسلہ کی طرف سے محسوس

یاد نگاہ عالم سے درخش کاروانی کے نام سے قاطع بیان کا۔ ۱۵ اپریل ۱۹۶۹ء میں

چھاپ دیتے جس کے مدیر و مصحح نجف ابیورسلہ کے برادر فیروز مرسلہ کے مرسلہ کے

سے کہ حاصل مرسلہ احمد علی کا مرسلہ کے مرسلہ کے مرسلہ کے مرسلہ کے

"آقا احمد علی اصفہانی کی مرسلہ کے مرسلہ کے مرسلہ کے مرسلہ کے

کا پڑھ کر طبعہ جس سے استفادہ کر کے اور مرسلہ کے مرسلہ کے مرسلہ کے

کی علمی کادشوں اور تحقیقی سوشل فیلڈ میں اہل علم و ادب جو سکیں اور سسٹم عابیات کی ایک، ہم کڑی مکتبہ جو جائے جس طرح انھیں ترقی اردو کراچی (پاکستان) نے اس ادبی نذرانہ کی تفصیل "ہنگامہ دل آشوب" (معدا اول و دوم) کے نام سے شائع کر دی ہے۔

نوٹ: میرے قلم کو مفرماؤ، مگر ضیاء الدین ڈیسا نے اپنے مضمون پر جو ان "عالم اپنے دو معاشرے کی نظر میں" (مطبوعہ غالب نامہ، تنہا دہلی، جولائی ۱۹۸۲ء) میں میرے مقالے پر جریدی اعتراضات کئے ہیں۔ مثلاً اور سرہالہ کی جگہ گورنمنٹ مدرسو یا مدرسو کالج لکھنا اور رسالہ "تراہ" اور رسالہ اشتقاق کے موضوعات کی تفصیل بتانا چاہئے تھا۔ اور احمد علی کی تاریخ و فضا درست ہے، حال آنکہ میرے وہاں تاریخ کسی ہے جو ڈیسا صاحب فرماتے ہیں، ان بعض جگہ میں جریدی ترمیم کر لے ہے، میرا مقالہ غالب اور احمد علی کے ادبی تئانہ سے متعلق ہے۔ اس سے غیر متعلقہ تفصیل کی توقع ہے کہ ہے۔ ابنت محمد شکایت ہے کہ ڈیسا صاحب نے اس انصاف پسندی کی راہروں کی کہ غالب اور ان کے طرف داروں کی نفس نگاری کے بعد بھی احمد علی نے "ہفت آسمان" میں فانی کا ترجمہ ویسا ہی کر دیا ہے کہ غالب کی مرثیہ نویسی کے سلسلے میں شہر محقق پر و فیہر نے بڑا احمد صاحب کا یہ قول "میں کا حوالہ خود ڈیسا صاحب نے دیا ہے (صفحہ ۱۱) یہاں پیش کرتا ہوں۔

"برہان ناطق کے نقائص کی نشاندہی میں صلا صیتوں کا تذکرہ کرتی تھی غالب میں وہ صلا صیتیں دیکھیں۔" اس کی تفصیل پر تفسیر صاحب موصوف کی کتاب "تقریر ناطق برہان" (مکالمہ) میں ملاحظہ فرمائیے۔

حواشی

۱۔ ہفت آسمان (۱) (بلا فیس کا انگریزی مقدمہ) حیات غالب (جلد ۲)

ترقی نگاہوں میں اردو (۱۹۵۰-۱۹۵۱ء)

ڈاکٹر عبد الباقی، پرنسپل سرمد قیام علیہ السلام۔ جو اس وقت کے جتنا اور جو کچھ لکھتے تھے۔
اس مقدمے میں اس پر مزید اضافہ اور غیر مطبوعہ ظام کا تعلیمی مطالبہ پیش کیا گیا تھا۔

جو بعد ازاں راقیہ میں شہر آباد کے کابینہ میں وزیر اعلیٰ کے طور پر ڈھاکہ
جو بعد ازاں راقیہ میں شہر آباد کے کابینہ میں وزیر اعلیٰ کے طور پر ڈھاکہ

۱۔ مشرقی پاکستان میں اردو و عرب میں ڈاکٹر عبد الباقی کی تقریر جو بعد ازاں راقیہ
میں منعقد ہوئی ۱۳-۶-۱۹۷۱ء۔ راقیہ میں منعقد ہوئی ۱۳-۶-۱۹۷۱ء۔

۲۔ مشرقی پاکستان میں اردو و عرب میں ڈاکٹر عبد الباقی کی تقریر جو بعد ازاں راقیہ
ڈھاکہ میں منعقد ہوئی ۱۳-۶-۱۹۷۱ء۔

۳۔ مشرقی پاکستان میں اردو و عرب میں ڈاکٹر عبد الباقی کی تقریر جو بعد ازاں راقیہ
ڈھاکہ میں منعقد ہوئی ۱۳-۶-۱۹۷۱ء۔

۴۔ مشرقی پاکستان میں اردو و عرب میں ڈاکٹر عبد الباقی کی تقریر جو بعد ازاں راقیہ
ڈھاکہ میں منعقد ہوئی ۱۳-۶-۱۹۷۱ء۔

۵۔ مشرقی پاکستان میں اردو و عرب میں ڈاکٹر عبد الباقی کی تقریر جو بعد ازاں راقیہ
ڈھاکہ میں منعقد ہوئی ۱۳-۶-۱۹۷۱ء۔

۶۔ مشرقی پاکستان میں اردو و عرب میں ڈاکٹر عبد الباقی کی تقریر جو بعد ازاں راقیہ
ڈھاکہ میں منعقد ہوئی ۱۳-۶-۱۹۷۱ء۔

۷۔ مشرقی پاکستان میں اردو و عرب میں ڈاکٹر عبد الباقی کی تقریر جو بعد ازاں راقیہ
ڈھاکہ میں منعقد ہوئی ۱۳-۶-۱۹۷۱ء۔

۸۔ مشرقی پاکستان میں اردو و عرب میں ڈاکٹر عبد الباقی کی تقریر جو بعد ازاں راقیہ
ڈھاکہ میں منعقد ہوئی ۱۳-۶-۱۹۷۱ء۔

۹۔ مشرقی پاکستان میں اردو و عرب میں ڈاکٹر عبد الباقی کی تقریر جو بعد ازاں راقیہ
ڈھاکہ میں منعقد ہوئی ۱۳-۶-۱۹۷۱ء۔

[illegible]

۱۔ عوام بہبود ڈویژن کے تحت ۱۹۳۶ء تا ۱۹۶۹ء کے درمیان کی گئی سب سے متعلق احادیث
۲۔ ۱۹۶۹ء سے ابتدائی تعلیم درمیان قاعدہ ملی سب سے متعلق سے حاصل کی۔
۳۔ عوام بہبود ڈویژن کے تحت ۱۹۶۹ء سے عوام بہبود ڈویژن کے تحت ۱۹۶۹ء سے
۴۔ عوام بہبود ڈویژن کے تحت ۱۹۶۹ء سے عوام بہبود ڈویژن کے تحت ۱۹۶۹ء سے

[illegible]

جنگِ قادسیہ کی مصروفیات میں یہی حکم ملا کہ حضرت محمدؐ سے ۱۲۵۵ھ تک سے ۱۲۹۰ھ) والہ
آقا شجاعت علی و قاضی علی و سردار آقا نور محمدؒ کیوں نہ ہو اس سے
بے متاثر رہ کر عدالت کو بند نہ کیا۔ عدالت تو اس کی رکنیں سرحدیں تھیں اور
علم کا دارِ حرم تھے۔ غالب کی اس غلط فہمی کی بنیاد پر اس کا زمانہ نقاباً پر ہے یا منسلک
پر منسلک اید محمدؒ کی ترتیب دی ہے۔ یہی مسئلہ ہے کہ اس نے اس کی منسلک کے ساتھ
جو رقم لا مقادیر غالب نے کہ صرف منسوب غالب۔ مزاحمتی۔ ۱۹۶۱ء تقریباً ۱۰ سال
لی عربیہ حقل۔ ب۔

تعمیل حاصل تصور کرتے تھے، دو عقد اپنے منقطعوں میں اس کا اظہار کیا ہے کہتے ہیں۔

نے کے اختر حسنل جلود ہی ہاں ہنزایت کچھ دیکھ نہ سکے

ورجس کے دلی میں بڑھنے عروس ہے ڈھاکے میں تعمیل حاصلیت

خواجہ عبد اللہ ایدہ میں اختر افارسی میں دعا اور یکجہ میں اسراکت نفس کرتے

میں اس ثبوت کے لئے کہ اختر بیانہ کی کلام کسی حالت کی خدمت میں معروض اصلاح

میں کرتے تھے۔ اس وقت میں مشکل میں غالب مستناسی میر تقی علی حفظ کیئے

یہی میں کہ سر محمود رتو اور خواجہ جید جان شاہ نے کے علاوہ جو عبد اللہ اختر ڈھاکے کے

تیسرے تھے تھے میں مراد اللہ سے شرفی تھے حاصل تھا۔ شرفی اللہ میں تھا حب کی رویت کی

ہاں بر شاہ محترم کی کمر عبد اللہ شاہی کو بھی سپرد ہوا کہ حب حالت میں ہستی کے مقدمے کے سلسلے

کیئے تھے یہ تھے تو وہ ان کی ملاقات میر محمود سے ہوئی۔ وہ تب کلکتے تھے اور وہ ۱۲۸۵ میں

نے تھے یہ ڈھاکہ اور مرقی پکتا میں روز ۱۵ ص ۱۵۰ میر" بنگال میں روز ۱۶ ص ۱۶۰

نے (مرقی پکتا میں) روز ۱۷ ص ۱۷۰

ص ۱۷۰ میں روز ۱۸ ص ۱۸۰ میں میر تقی علی کو خواجہ عبد اللہ رتو میں یہاں لکھنؤ رتو تھے

۱۷۰ ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن

ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن ۱۷۰ ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن

۱۷۰ ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن ۱۷۰ ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن

۱۷۰ ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن ۱۷۰ ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن

۱۷۰ ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن ۱۷۰ ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن

۱۷۰ ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن ۱۷۰ ص ۱۷۰ میں میر تقی علی کے اور ڈاؤن

تسے درمہ مخمور ہے، ایک یہ نشہ ڈھکے میں ساجہ، دھو میں سبزی احمدیے درویش کی مسوقات کا
منار ہے۔ آج کے کلام سے قراترہ و نظر آتے ہیں جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔
دریہ جہاں یہ ملک کو صحت ہے، یہی اس کے سرگرمیوں، احمدیہ اور عبد العطار اور
ڈھکے میں ہی تب سے تیرہ نہیں بلکہ دوسرے شاگردوں نے

تعداد الملک علی حبیب اربعہ جو حمیہ سنگا کے اردو فارسی اور عربی مصنفوں کا
مردم تبار کے طبع سے ان کا کام تصانیف کو تقریباً پچاس سال تک مہارت و
مشقت اور کامیابیوں سے فراہم کیا اور سہولت دیا، جس سے ان مصنفین کے حالات اور
تصانیف میں محکم حواشی میں ترسے ہوئے جواب نامی صورت میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے سربراہ
مکتوبات کی ریاست سے میرٹ حبیب کا بیان ہے کہ میں نے اس میں شیخ سکاٹی کی تصانیف
ڈھاکہ لکھتے تھے کہ میرٹ حبیب جو سنگا کے ایک کون صاحب ہیں انہیں جانتے اسی طرح
میرٹ حبیب "دور دنیا" لکھتے ہیں شیخ سنگا کا نظریہ ہے کہ جب ان کی نظر سے گزرے تو انہیں
میرٹ حبیب کی تصانیف سے بھی ایک اور صورت تھی۔ آخر کی وفات کے بعد حکیم صاحب موصوف کی
گورنمنٹ میں جب جہانگیر عبداللہ دکن کے صاحبزادے اور حوذا علی اللہ نے انہیں اختیار کیا
پھر مطبوعہ دیوانہ علی کی قلمی تصانیف کے بعد یہ وہاں شیخ سنگا کی تصانیف بھی اختیار
کیے جن کا "حقائق" و "دور دنیا" میں شائع شدہ کلام بھی اس دیوانہ کی بیعت تھا۔
تیسرا دور مان ڈھاکہ کے میرٹ حبیب کی وقت نامی مطبوعہ اور اس سے زمرہ سے کلام کی اشاعت
کا مقصد یہ تھا کہ ان کی پسند و ناپسند کا اندازہ لگایا جاسکے۔ بہر صورت دور دنیا "کلکتہ میں
چھوڑ دیں شائع ہوں تھے ان سے دو نسخہ نقل کیے جاتے تھے۔

[illegible]

عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

ہم پر یہیں جانیں گے کہ فوجِ شہم لے
 دستِ کُردہ و اقامتِ لہجیوں
 گر کہ روزِ سسہ و لاکھ کی مل جائے
 ماہِ واپس آئی واپس آئی حالِ
 ہر محبتِ ظالم جو عمر بھر
 جد و جہدِ رحمتِ - و محبتِ انصاف
 جس کو تا طرِ لہجہ سسہ

— دیکھو، یہاں پر ہم جنس پیر
 ہو رہے ہیں۔ یہ ہے۔ اردادہ تمہیں، رسد جواب کو اس قدر احسن اللہ ساقینا
 ہمارا نقش پیر نہ بھلا دیتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ ہے وہ نہیں بددعا پر رجحان آخر
محب سمجھوں کنش بیاسے نہیں مطلب مہجور سناں آخر
ختم نہ لے سناوی میں تاکہ طغوی کے رہاں نہ لے سناوی میں تاکہ طغوی کے رہاں
یہی تیرے کیلئے تھا جہاں میں طغوی کی فوجوں کا وہ "ارتقاء" معطوف کر دیا
تھی کہ نہ لے سناوی میں تاکہ طغوی کے رہاں نہ لے سناوی میں تاکہ طغوی کے رہاں
انہی کی توجہ کو اپنے دل پر روپ کھینچ کر
میں مقدمہ میرے اہل حق ہمارے

ظاہر آتش و مستحکم ہے
اس قوم میں اتار دے کیم

۱۔ ما علم ہے کہ قندیلہ خاندان پر مشرور میاں کو اس کو اس سے بدستور

آخر کا کلام موجود ہے۔ مثلاً قصیدہ منزلِ مشکوی، رما علی قلعہ، خمس اسرار اور سوخت
اور ترکیب بند۔ اس کی تفعیل یوں ہے کہ اس غزل و کلام میں صرف دو قصیدے ہی پہلے
قصیدے میں ایک سے ایک اشعار ہیں جس کا مطلع ہے۔

بوقتِ شام کہ خورشید ہو گیا ہے نور
جہاں میں تیرا شمع ہے ڈالارنگِ طور

دوسرے قصیدے میں صرف تینتاہیں شعر ہیں اللہ شان نہیں پیش کی گئی
ہے ایک قصیدہ تیزری کی ہزل پر پیش کا شعر ہے۔
دل میرد دزد دستم صاحبِ دل باقدار!

ایک قصیدہ سوادِ سوخت ہے جس کا ایک شعر ہے :

ایک جو شکر و ذر سے اللہ اللہ داناقت شر از ذر ہے اللہ اللہ
سید بھی مانے علم ندانے اللہ اللہ حاضر شرفِ نب و ذر سے اللہ اللہ
ہمت اے دل کہ ستم اور لیا ہے مجھے
طاقت اے مار کہ ستم، بھی لیا ہے مجھے

یہ رما علی کی مثال پیش نہ جاتی ہے۔

گر قصرے عمار و پانی آبِ حیات کی سناں پانی
کیا نہ کرے، اس پر کتبہ بزرگوار گرمے کے لیے شہ گلاب پانی

جو رعد بھی جس عمارِ معلوم، جس میں اس رہائے کی پیش کے وہی ہار کی
مدا بھی جس سبب سے استعمال کئے گئے ہیں "جس میں دقتِ عشق" کے نام سے ایک
مشہور ہے۔ شاید یہ حشرے رنگ کی آخری دکان ہے کیونکہ میں میں رزاقی ماننے کے ساتھ ساتھ
شرعی بیان بھی ہے اور نہایت دل و راہوں میں گہرا ہے۔

۱۔ جس پر تصحیح قیاسی

عر میں غم - یہ میں میں کیوں جموں بخود میں خصوصیت کے ساتھ بڑی
 روائ اور پاکر چلا میں ہی میں سخن میں رہی و بیان کا طوف گھپا ہوا ہے۔ ان طرزوں
 پر قمر شیر کہے یا خاکسار سے اکت و فن کا لفظ نہ صورت میں است و بچہ در سادہ و
 مستقیم نہیں رہا بلکہ ان طرز میں پیش کی جاتی ہیں۔

رہا سب چو ریا رہا	دیکھیں گے ہوسار کا یہ
کھد رست نہ رہا - جہا رہا	ہوئے کس جہا جہا رکا رہا
نہ کھس جہا نہ رہا نہ رہا	دیکھتا ہے مستعار پہ
عہد چھوٹا - مہر بہت دور	میں کیلچے کا مستعار پہ
یہ صبر و شہرت نہ رہا توں	رہا توئی عہد گسار پہ

کوئے جہاں میں ہم تو چارہ رکے	حال، پسا ہے سب رکے
صورت مداح جب کار ہوئی	وہ طبیعت دھر کو رہے
رہا کا پوچھ لٹاں تو نہ لے	جانتے تھے مسک رہا رکے
بیچ رہا میں کی ہم گلے رہے	ایں جو پہاڑے رکے
رہا ماف قسٹی نے رکھ دیا	سر کو، لیس دے ہم ٹھہرے

جوں تورش رہی ہو چکی بس	ہمارا بستنای ہو چکی بس
نہ لایا تا پ جو رہا تو نہ	دلا صبر رہا نہ ہو چکی بس
پسے میں نے کو کتھے سے نا صبح	اب اس کی بار رہی ہو چکی بس
جو سے یہ خوش کوئی تیری حشر	تو نہ رہا نہ ہو چکی بس

اگرچہ کہ یہ شعر، من بعض اشعار میں خبریے شاعرانہ لہجہ میں

مردہ رکا ہے۔ میں جھٹکتے ہوئے کہیں کہیں اندر کے کلام میں زمان و بس کی مکاری
 معرکہ کے ساتھ ساتھ تھکے کا ٹھوس سہ دہی اور چاؤنچی رہ گیا ہے۔ میں کے
 دو صاحب کو کہتے ہیں: ایک تو بنگلے کا ماحول جس سے ساقی مفرقہ اور دوسرے
 پاک نال تعلیم جب وہ مکمل طور پر موزوں تھی۔ میں نے بڑی مڑھی وہ وہ بڑی دھن د
 تو بعد کے شعور میں جو کہ بے ٹھن امر وہ سردی کے میں شعور میں خط ابتدا الفاظ۔

میں نے سوچا تو نے

دلا حیرت رمانی سوچسی لیس

میں کہاں ترقی میں نہیں بیان

تیری رفتار چہ قیامت ہے

نکاح کیا کر میں اختر سند ہے محرم کی ہم

مدی اس کے جو کہ کن ہم بھیبوں کا نہ سمجھے

مولوی رحمان علی عیسیٰ مصطفیٰ دارین ڈھاکا جو کہ جوڑھ کے کی چلتی

بھرتی اس ٹیکو بڑیا تھے۔ بعد لفظ اختر کے مارے میں لکھے ہیں

آپ نے یہاں ایک کلیتہً روحانی فوٹو اس میں جس نے ہمارے درمیان

رہ گیا۔ آپ کا ہمارا کلام نہایت فصیح و سلیقہ پر کھر

ہم سے در رو میں آپ نے میری مہم کا طریقہ اختیار کیا ہے یہ کو بچا

میں لکھتے ہوئی کی طرف رجعت ہوئی اور بہت مفید کلام متنبہ سے ہے

فتنی کا یہ بیان سنا میں تو جہاں تک ہے اختر کے دارسی اور خدا کا ان کی روشنی

جہاں رہا ڈھاکا اختر رحمان علی عیسیٰ، محمد زین "مستری پاکستان میں" ص ۳

نہیں ہوتا۔ یہ کہنا ہے فائدہ ہوگا کہ جب ان کا کلیات یا دیران ہی اسے منظور ہے تو کلام کا یا
 دنیا ممکن نہیں، البتہ بروہیہ اقبال کا یہ بیان کر:

”خاندانِ حواجگان کی گئی یا عین میرے یا میں جن عین سے ایک یا صی حواج
 احس بندہ سابقہ خواجہ بندہ معارفِ حق و درود الرحیم صا در جو بھتیق اللہ
 سید کے کہیں کا رن طرہاں راہیوں اور نظوں پر متکلمے نہ لہ

میں امر کا مناسب ترجمہ نہ تھا کہ کی بریا میں اقبال کا یہ صی صا کے ساتھ کراچی (پاکستان)
 چلی گئی۔ ایسی صورت میں یہ کہنا مشکل ہے کہ اس میں آخر کے تاریخی کلام کے وعدہ و وعید کا
 بھلا ہے کہ ہیں۔ لہذا موصوفی نے آخر کے درجہ دو نعتیہ شعراء اب رسی بیاض سے نقل
 کے پیش جو کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرے۔

لے روتہ رواں اور جسے دل چاہے گرہاں
 لے فقیر رسل، قبل ازیں، کعبہ ایمان

ایسے نور تو عکس منکر آئینہ تو حمید
 در وصف خود بدستِ قبل، ملا حیراں

نومبر ۱۹۷۱ء میں جب ڈھاکہ کا یونیورسٹی کے اعلیٰ تعلیمی مسخوں کا جائزہ دے رہا تھا میں
 کی گئی سال سے بہت مرتب رہی تھی۔ اس میں اتفاق سے ”مظہرِ حق“ کے نام سے ایک
 ایسی دانشور نے لکھی تھی، اردو دنیا کی دنیا، اتفاقاً بھی۔ یہ میں سیکرٹری کے
 تقطیع کر کے، قریب سے متعین طور پر لکھی ہے اور ہمارے محکمہ پر منتقل ہے۔ لیکن
 دست بردار ہر کہ جس سے کم جو یہ جو میری سے میں صاحب دیل اصناف میں منتقل کی گئی
 سے ترقی یافتہ ہیں، ۱۹۷۱ء، ۵۰-۵۱ء، سفر پاکستان کے دوران میں سال میں جو شام ۱۹۷۱ء
 پر میری نظمیں اس ماحول کے۔ میں استعارہ کیا تھا تو اب ہر دور ہمارا کہ پاکستان کے
 دنیا میں سکے لوگوں کو دے گئے تھے۔ (میں ۵۷)

منظومہ اختصار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسم پاک خدا ہے عز و حق سب سے بڑا کہ سب سے بڑا
 معجز ممکن شیون و صفات کوا خدا ہے وہی خدا کی ذات
 وجود لا استریک بسن ہے اس کے ساتھ ہی نہیں کیڑی شے
 استہانتہا سے وہ ماہر ہے اپنی قدرت کا آید وہ ہر
 کوئی سس کا نہیں ہوا ابدا رکوئی ہے ترکیب و محرم راہ
 وحدت کی میاں میں رکے دم اس جا پہ بار بار رکے
 مسئلہ یہ وجوب دامن کاں کا جو ہر دو سو مسئلہ ہے شیطاں کا
 علم کا زور وہ دکھاتے ہیں جو وحدت قدم سلاتے ہیں
 رکے (اثبات) کو کوئی کھوٹے حکم شے دیکھیں سے کہاں ہوٹے
 یاں تو کچھ عکس سے بھی کا نہیں عشق لب کا یہ مقام نہیں
 وہ یاں میں رذا اس لطافت کو سوز کچھ اپنی بھی کائنات کو
 معضدین ہوو کیوں کر ہو خلق خالق کا کیوں کہ ہمسر ہو
 صوفیوں کے کلام کو نہ کہو سمجھو نہ صر سمجھو نہ دور رہو
 اس کی تاویل ہے بہت مشکل علم ظاہر سے وہ نہ جو حاصل
 اور از روئی علم ظاہر بھی روکشی ان کی یونہی نہیں سکتی
 صاف دل کا مشکل آئینہ ماری دنیا سے پاں جدا کیے
 نہ مایہ در سہ ہیں نہ کچھ نہ کچھ سمجھ کے گئے سمجھ رہے

سردہ آفسر پیش عالم
 تیش و آب و خاک باد رنگ
 قلم و لوح اور جہاد و نبوت
 بچم و حور ماہ سب اسی سے
 نور آمد کہ جب دکن پہ ظہور
 جھٹی گردن کہ سر بلند کا ہے
 ناز و بھاء نیاز سے بولا
 حسیہ فوق بیان کرے لگا
 نظر بلف کا مو مسطور
 بحر کرم جو شش میں آیا
 مارک اقتدا کیا مواب ملا
 وہ قدرت کی کاریر دازی
 مسافتِ رحمتِ خدا دیکھو
 کہ کاس کو مفند اسب
 اس سے تے ماں کو بخت جو
 عہد اور سر میں تھا ہی نور
 تھی اسی پر کیا دو نشان مود
 ان منور کن کہتے عسک
 حکم عین سفین کا احسار
 حل اسی ہاں حیدر ہے مقام
 جب اختر کے تے تلے لب
 حوتے اسی کو کیا بطف کرم
 عرض و کرسی و حق و انس و ملک
 عسوی و سفلی کے یہ فضیلت
 قدر کو تاہ سب اس کے سے
 وہیں بھگت کو وہ ہوا مود
 ماجری کی کہ اجمہد ہے
 دفتر شکر و رحمت گول
 صفت حرد و نشان کہے لگا
 ستر مائل کھلا ہوا مسور
 ابر رحمت حردش میں آیا
 پہلے لڑاکا کا خطاب ملا
 آفرینش میں کی خوش آفرین
 کیسی سندوں پہ پہنچا دیکھو
 یمن و سب کا شیو سب کا
 کیا جس کو مسد ان کو جے سمود
 تب ملک مجدے کو ہوئے لب و
 جس سے طیس ہو لب سطرود
 اس سے روئے لب خاں یمن
 اسی مہر پہ ہے مقام و مدار
 اس جہاں و ہوش اگم میں تم
 ستر مائل کھلا ہے تھ پر کب
 ہر جمع لعل ملے۔

کچھ کس کی بڑی شرافت ہے کون اتنا خدا کا پیار لے ہے
 رَمَعَ اللہ عَفْوَہُمْ کی خمیسر کس کی دکھلا رہا ہے یاں توقیر
 مگر مجھ ہے تو اس کو فائز و سب حق ہے یہ حق ہے اس کو مانوسب
 فزق ہے خاص اور خاص کا یاں ہیں حکیم و حبیب کے ہی ایشیاں
 طور پر ان کو دل کا کام ملا منزل پوریاں مقسم مسد
 حاک کا صرغ ان کا پا انداز ان سے الگ کھڑے باز و نیاز
 لیٹرائی وہاں جواب آیا یاں دنوں قرب کا عذاب آیا
 قاب قوسین سے جو کم تر سو دوست تو تم وہ وصل نور کرو
 دیکھے اور اس سے بھی بڑھ کر سید فضل شایع عشر
 سید اقدس آل عسریں میں کیا یہ ہے طبیعت شایع میں
 مگر شرف میں رہے مجھ طاق کیوں ہوا چند کس نے میناق
 وہ شہادت وہ قول وہ اقرار حق سے بیوں کا تہادہ کیا اصرار
 جس کو کچھ علم کا اثر ہی نہیں صلے فرشتے خیر ہی نہیں
 تجارت ہم سے جو ہو عسیر دم کیا وہ سمجھے سسرا پر سکونم
 دخل پوش و غریب غنہ ہے کیا علم ہی حب ہیں تو غنہ ہے کیا
 علم جس جاد کھائے اپنا زور عقل بھاگے وہاں سے جیسے چور
 علم پر حسب امور کلبہ مدد عقل بے علم ہوتی ہے بے کار
 اس میں اختر بہت ہے طول کلام بس حقان کیت کلک کو کلام
 کھر سنا اک روایت صادق بردسبل کلام حق ، ناطق
 کچھ میان فضیلت حضرت شاہ محبوبیت برمد شوکت

سنے والوں کو کہہ کے بکھائے جلوہ نورِ حق کو دکھائے
 یہ جو ہے اک خطابِ تمکین پُر فضیلت سے اور شوق سے قریں
 رہے حضرت کو اندرِ عزت عاصی کے لئے ہے تو رحمت
 غور دل میں کرو خدا کے لئے کم نصیبت ہے سعدی کے لئے
 یعنی جتنے ہوئے نبی و ولی ہیں پور و نمود تھی سب کی
 رہے پوشیدہ یا پہلے ظاہر کوئی عام ہے تو نہ تھا بہر
 کوئی خارج ہے اس سے ہاں بول مگر فضیل منہ ذرا کھولو
 کس کی اُمت ہو یہ تو بستلاؤ سمجھے حضرت کو یہ (تو) سمجھو
 کہو ہے یا نہیں یہ قرآن میں گردِ مافوقِ حلال ہے ایماں میں
 اور بھی ہیں روایتیں ایسی جس سے ثابت ہے (شان) حضرت کی
 ہیں منظور یا رہے طولِ کلام کطوائفِ کتب سے سلاسلِ انعام
 اس لئے اس پر نقد ختم کیا کلفِ سامعین رزقے لیا
 نے حذرِ کلام (م) میرِ اقبال طفیلِ رسول و آلِ رسول
 سنے والوں کو رہنمائی کر رحمت و لطفِ کسریٰ کی

اختر اب بار آ کلام سے تو

جو سعادت طلب سلا سے تو

السلام اے میرے برج برتیری
 السلام اے رحمت رب رحیم
 السلام اے حکم کائنات کی ابتدا
 السلام اے ذات تیری انتخاب
 السلام اے خسر و ناز انبیاء
 السلام اے نور پاک حق نسا
 السلام اے مطیع خلق و جور
 السلام اے باز پیش لوح و قلم
 ہو گیا اعلیٰ میں عالم دل تباہ
 مر نہیں اس کا جو کچھ وہیں کہ سکوں
 م عتوں سے جاری اور جاری خفا
 آپ کو در بندہ حق و رحیم (کذا)
 کس سے جز حضرت کر دیں عرض
 کہ نہیں ہی جس کو، پیر از زیاں
 اب ہی جو ہنسی ہی ہے التجا
 بیچے سے مطلب رجعت با یک
 یہ تمنی ہے، نہیں ہے آرزو
 راز نانی کہجئے میسری تسل
 صد مہلت بیکی کب تک سہوں
 ورد کیجے دل سے میرے رنج یا س
 السلام اے عا و اودع سروری
 السلام اے عا و عسقل عظیم
 السلام اے فصل رب کی تہا
 السلام اے بات تیری رجوب
 السلام اے برگ و ساز دیبا
 دست قدرت سے قمر کے تنقہا
 السلام اے مقلع اخلاق وجود
 خیزوں حستہ ہر جہنم کرم
 رحم اے دونوں جہن کے بادشاہ
 طاقت اس کی بھی نہیں جو چپ موں
 ہوں میں از سر تہ پاپا ری خطا
 چارہ گر ہیں آب اور بیمار ہم
 کہوں کس کے، آگے میں دست بڑوں
 خوب دیکھی دمر کی میسر گیاں
 عاقبت کو ملے مرے فرمانرو
 مغفرت حق سے شفا دے ہے
 حق یہ فرماتے خود را تقطو
 آپ کی اُمت ہوا آخر لہ سول
 تا بجا نا کام ہو چہ حسرت رحوں
 آپ کی اُمت ہوں وہ کس کے پاں

سہیجا، مطیع خلق، ملے صحیح، دیکھیں تہ زرد لکھے میرا تبوں

یا نبی پر اقدس کے طغیس میری غنایتیں گاہ ساجیے میں
 بہر اصحابِ خدا جو حق طلب کیئے میری حمایت پیشِ رب
 جب حق لب پر دعا کے واسطے رحم بندے پر خدا کے واسطے
 مشتِ خاکِ ناتواں جو جلے پاک تاکے بارگاہ سے دردِ ناگ
 آپ کی امتِ عقود میں رہے ظلمِ دجورِ عیسٰی مٹا رہے
 نعتِ لطفِ اکرم سے کیئے سیر مخلصی میں بندے کی کیا آبی دہر
 عرصہ صد، بسا کیا اختر نے بس اک نگاہِ ہیرے فسرِ یادِ ہیر
 دیا کورِ محبت، جان کو آرم ہو ایسی حسرت میں جو حاصلِ کام ہو
 بس فحوشِ اختر پاکِ نورِ موم کچھ تھکے دل میں اب کاپے مقم

تیرے دل کی جو جیگی حاصل مر د
 بڑھ رہا دردِ پاک کہ خاطرِ کوتاہ

مستزاد

سنی فو مستزاد روح پاکتِ بجمہر جنابِ حمزہ رسل
 شیعہ اندھنیں، خیرِ بشر کمرِ ابوں کے رہ جنابِ حمزہ رسل
 مرام، ملینِ خیرِ بشر (اے) اسرورِ عالم مجھے محبتِ ابوں
 شیعہ امتِ عاصی، حبیبِ مہلق کسر جنابِ حمزہ رسل
 دردِ دل کے دردِ نیا کمرِ جو تو بہ تو ہر دم ملنے لگے ساج
 لقبِ جن کہتے تھے تلمیذ میں و مستزادِ عشر جنابِ حمزہ رسل
 کہاں یہ جو وہ نکھور جو بحث اس شاہِ دین کی میں تدمرِ مہتابِ جن کا
 ہر اک مہلوق سے تھے ملے سے سنِ انفس و بہر جنابِ حمزہ رسل

مراقبہ، مراکعبہ، مراپادی، مرا مرشد
 مر سلطان، مرا ملک، مرا سید، مرا سرور
 مسعود و حدیث سلام اس پرانہ کی آل پر بیچیا
 خواہ لافٹ کے اپنے
 جناب محمد مرسل
 جو ہے محبوب تیرا احسن سب کے خوب اور بہتر
 ذکر تو خوب محترم کہ 'قوی رکھ دل کو ہاں اپنے
 شفاعت، تبت تیری کر پدے حضرت اے اختر
 جناب محمد مرسل

غزل

اے غی فرقت تری جس کو ستائے کیا کرے
 اچھے ہر دم شوق میں، نسو بہا کیا کرے
 تارِ دآہ و دفنِ گریہ و شور و ہکا
 دستِ کس میں کوزہ ہو جوئے کا وہ دانا کرے
 حال جس مانتی کا پسے عشقِ حضرت میں برا
 قبلِ ثوریدہ گلِ زارِ عشقِ مصلحے
 رہے افسانہ کس میں گزراے ریا کیا کرے
 صبطِ راہِ عشق ہے حق کے حق میں حور
 سب تیغِ مگوارِ چشمِ دلِ فسریب
 حلالِ دلِ لہا چو ہلے یا نہ لے کیا کرے
 وہاں پان جس کے جی کو بھائے کیا کرے
 غمِ پیران، مگر ہر دم سنا کیا کرے
 مگر پیر نہ ہو گریاں کے اڑے کیا کرے
 وہ جلا دل کو کہاں اپنے رکائے کیا کرے
 روضہ افسانہ کس میں گزراے ریا کیا کرے
 بہرِ جو اسوایے آنکھوں میں آئے کیا کرے
 تیرے چہرے دے خون میں بجائے گونے کیا کرے

تقدیق و تدبیر تو صاحبِ احترام ہے غیر
 دیکھئے گرا اس مآور کو پائے کیا کرے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من کلام بلاغت نظام جناب خواجہ عبدالغفار ضامن قلعہ

ایسے خدا نے مژدہ پروردگار پر میکاں
تو ہی تعالیٰ تو ہی مالک تو ہی رحمان رحیم
خود و عباد و ملک سب تیری قدرت سے بنے
پھر کر تو ان سنگ کی خلقت کہیں کا حال
یک لفظ کن سے تو نے سب کچھ میں آشکار
حکیم حکمت سے ترے افسردہ مایم متفق
تو نے جوچہ پاکیا جوچہ بتا ہے کرتا ہے
اور جوچہ کرے کائنات خدا نے روحاں

قطر

تو نے ڈر ہے نہ بھی ابتدا کو تیری عقل
تو ہی تو ہے نہ جہاں میں ایک کچھ احسن و نظر
خیر و جہد پاک حضرت کیا جو آخر سے کھلا
کون سے نیرے حواس عالم العیوب سے خدا
میں تو نے کعبہ سے سب سے قبل وادائی مری
وہاں ہم حیرت و حسرت ہے میرا کیا کروں
مذہب مہی کی پے کر خدا یا مغفرت
نت ہے ہی میرا نہ مہد و مہد و مہد
مت ہر محم اسی کو ہے پناہ ہے کس
لے بیچ - کر دین

صدق دل سے جو دعا کرتے ہیں کہ کسی کو قبول
 خاص صلہ و رحم سے اسے حرم بخش عاصیوں
 یا فری محفل اسبیلہ رحمت کو مدام
 سائے میں ہے کرم کے کعبہ یا من و اماں
 حمد و ثناء سے تیری حمد کی گھڑا یاد و شہد
 ہائی تجھ سے کور کو ہر آن ہر دم تسادہ
 سبب دینا کہ وہ حاصل ہوں اترا نعل
 شامل حال اس کے ہوئے خیر و خوبی ہر زمیں
 میرے ملک کو کہ جس کا نام ہے عبد الغنی
 عروج و دولت اقبال سے رکھ تو اماں
 میں کی سبب و لاد کو اس کے عزیز زلف کو خدا
 تو سلامت باقیامت رکھ یا بعد عزت و ستاں
 یہی رحم سے تو میرا حق اختیار کو
 کیجیو دوزخ جہاں میں یا الہی تاراں

تمام تہ

شب معراجِ حق المرسلین ہے
 طلوع آفتاب و دروہی ہے
 نرف میں سرنج کی کہے کوکب
 عروج کا مل مساجد میں ہے
 قسراں ہے آج ہر مشتری کا
 مرد عاقبت نور یقیں ہے
 قدم گاہ رسول پاک ہے آج
 عروج پایہ عرش بریں ہے
 نشان اسی کا ہے تار و فرش
 جو فرش ملک کا مسد نشین ہے
 دوع اس آسمان پر ہے میں کا
 کلا طینت یہ سلطان دین ہے
 فرشتے مزدہ دینے کو میں گئے
 پیام و صلہ دت علیہم ہے
 میں یاں لو سے محرم
 دماں آفتاب عرش بریں ہے
 کھد مرد و کس اعلیٰ پر مرکب در
 بہنوق آمد سلطان دین ہے
 باتیں مدنی تند بریں سبب
 بے رخصت گروہ تابعین ہے
 ہشتی جہم مستورین سے کھڑا
 دواں ہر آن میں شیر نگین ہے
 تمنائے پرستاری میں و ضر
 کھڑی ہر سمت اس جا تو میں ہے

غدا کی کو اور ہے ہاتھ باندھے کہیں فوج ملک غمناں کہیں ہے
 کہیں مشتاق دیدار محمد صف دروہ جلد مرسلین ہے
 قدوم احمد مرسل کا مشتاق نہیں یار کوئی جو داں نہیں ہے
 عجب اک شور ہے سب میں کہ آیا حبیب پاک رت اعلیٰ میں ہے
 جلی ہے کس تھیل سے سواری یہاں جس کا کہہ سکتا نہیں ہے
 ملک ملک طرفہ گریں صلو میں لفظاں کوئی تو کوئی قریب ہے
 جلد ہے فاشیہ کپڑے سرخیں برتا سو جیل شرح ل میں ہے
 ملک ہر آسمان کا کھولے در کو کھڑا عشق روت بر جبین ہے
 طبق وں نور کا ہر قدم پر متا فرق پاک شاہ دیں ہے
 اس آئین سے طرفہ ساز و بنچے جو حال میں ہے
 رہے پھر بھیجے تو جو ساتھ تھے سب جلد گئے امام امر میں سے
 گیا یہ مکان پر رت رت مکان کا کچھ نہ جس جانی ہے
 محمد اس جگہ بنی کہ جس جی فضا قریب رت عا میں ہے
 رہے داں رہے راز دیں دینیں اس جا کا بساڑے نہیں ہے
 ہمارا جس جانی میں دو ہم کو کچھ رد عمل راہیت اکو داں پر کہیں ہے
 جو اس دھونس سب یکا یک سر مغل داں یہ عقوبت در ہے
 خلد آیا حد سے مہم محبوب بڑھوئے کوئی جس میں نہیں ہے
 قریب آؤ قریب آؤ کہ تمیسرا بہت مشتاق رہا عالم میں ہے
 تو یہ نور ہے، آجھ سے مل جا ناط کیا تجھے مر حسین ہے
 گی آغوش رحمت میں دادہ آخر جو پیدائش کا نور او میں ہے
 مدراج طے ہوئے عین الیقین کے حصول رہا حق الیقین ہے

ہو، غم بجز رحمت میں نہ نظر ہو، حمد اُچھڑا ایسا ہوا وصل
 کہ جو اس عکس آئینے میں جا کر رہے دو دنیا کو واں نظر میں جا نہیں ہے
 عجب رحمت سے غفر مانے لگا تب خدا جو عاقبتی جان فرماتا ہے
 کہ باب تو مانگ لے پائے نبی اب جو کہ مطبوع طبع باز رہا ہے
 جو آدھیا ہے گامچل سے وہ ملے گا تری خواہش اور ہمت سے قریب ہے
 ملے موقع تو حضرت سے کیا عرض کہ خواہش پس یہ رب العالمین ہے
 ہمارا ساری اُمت ہوئے معصوم صواب اس کے تو حیرت کچھ نہیں ہے
 گر یہ وہ گناہوں میں گرفتار الہی تو تو خیر راہ میں ہے
 انہیں رسول کرنا روزِ محشر جو اُمت میں گمراہ مد نہیں ہے
 مرا ہر آن اُمت کے لئے دل سر اسیمبے معطر ہے حریر سے
 یہ کہ رو کر گئے مجھ سے میں حضرت
 کہا تب حق سے تجھ کو لے محمد بنا یا رحمت اللعالمین سے
 ترے باعث کیا ایسا د عالم ترے ہی واسطے دنیا و دیک ہے
 یہ کا خلقت ہی نے نور الہی اس میں خلقت جبرخ ذریعہ ہے
 یہ عرش و کرسی و لوح و قلم سب تری خاطر جانے شاہ دیدہ ہے
 کہ اُمت تری حاکم ہے ہم کہ لقب تیرا شعیب مدد سے ہے
 غنائت ایسی جب میر کا تمہ یہ توجہ کس واسطے بدو لگیں ہے
 تری اُمت یہ سوئی ایسی بخشش جو دم و دم سے عزت آتیں ہے
 عطیے حاکم سوئی حسبِ بخشش رہا جو تیرا رب العالمین ہے
 سرزدہ کو شش مرد سیا کی جانب پہرقت خوش بینی پاک دیں سے (کدہ)
 تو ہی سے حمد و ذریعہ ہیں یاں زبانی شکر حق میں نہیں ہے
 نہ کہ خود دہے شہ پہنچ چکتی

سماں دیدار کا آنکھوں میں چھایا
 جسکے انور رحمت سے جیسے ہے
 رکھی کے سر پر دستار شفا و صحت
 جیسی عارضہ پہ سلفِ عبرت ہے
 سرور امت کی محنت منی کا دل میں
 لبوں پر حمد رب العالمین ہے
 نبی اللہ نے وہ ہم کو بھیجا
 جی غفر المرسلین اللہ ربہ
 حد قرآن میں فرماتا ہے اس کو
 کہ تو ہی رحمت اللعالمین ہے
 یہ عالم جسکے جو رحمت کا اس کی
 سب ہی حق کر دے سب اس خوشی میں
 تو پھر امت کو کیا علم ہم نشین ہے
 نہ بھو جو حکم کو اس کے کبھی تم
 طبع اس کے سنو پھر قبت کو
 کہ وہ غم فوارا ہے، معین ہے
 پس اختر وقت عرض حال ہے اب
 جو اک دم ہی تمہیں بھولا نہیں ہے
 یہ سے وقتِ نردب رحمت حق
 خدا کی ہم بخشش با یقین ہے
 وہ مطلق غلت ہیں اب بڑھ کر ہیں
 کہ مانتے معداد و طرقت تریا ہے
 یہ سنگِ ام سرور تہہ دیں ہے
 شنائے حق منقسم المرسلین ہے

غزل

محمد رحمتِ اللعالمین ہے
 محمد ہی شمعِ لہدہ جیسے ہے
 رحیم و وسیع و نوح و موسیٰ
 کوئی رتبہ میں بس ایسا نہیں ہے
 ہے دارِ اسمائے درخشے کا دیباچہ
 ہم اس حضرت کا ادنیٰ چور ہیں ہے
 جو خاتمِ رسالت کا وہ کیونکر
 یہ مہر کی کہ ہے سنیب لگیں ہے
 دکھائی اس نے ہم کو راہِ ایمانی
 عجب روشن چراغِ کلاخ دیں ہے
 مدد یا مصطفیٰ کیسے پوچھیں
 کوئی علمِ خواجہ علی کا نہیں ہے
 ہے دلِ قطرہ حوں نے مجھے کیا
 سحر دے لے نبی پاک دیں ہے
 وہ وقت سے کسی ہے اللہ لہ
 کی کوئی خوش و ہمد نہ نہیں ہے

حمایت کا ہوں میں حضرت خواہاں کہ دشمن سخت شیعہ بن معین ہے
 مری تائید اس دم کیجئے آپ یہ لڑیں (افتر از ارادہ سریر ہے
 تمام شد

قطع

محفل میلاد حضرت آج ہے صبا کے رں میں تازہ حرکت آج ہے
 پھر دہی بندہ شہر زہ طلب پھر (پھر دہی) دورہ سرست آج ہے
 ہوئی یہ حصود گر بطف خدا پھر دہی حق کی حمایت آج ہے
 میں مدد کساتے سرگرم حرب جوش میں حائق کی رقت آج ہے
 جا کی میں جمع قبیل قدسیاں یاں بہار مانع صحت آج ہے
 اُفتخ احمد کے رں میں ہر محفل کار ساری ہائے طغیانی آج ہے
 دُوسرے جہاں گروہ مسکین در محفل سعادت آج ہے
 میں محفل سو یاں ، سعادت میں کے دل میں شوقِ خدمت آج ہے
 صاحبِ حق سے رہی پڑھ کر و د (دوستو) وقتِ جہات آج ہے
 حرم میں محفل میلاد پیر سایہ گسترِ طغیانی آج ہے

اجتر عامی بھی یاں ، صلا (امید)

داخل ہوا سعادت آج ہے

غزل

یا نبی کینک رہوں محزونوں لقا کے واسطے لے خدمت میں بہرے کو خدا کے واسطے
میر لکھوں جو چکے میں نعت وید (ار سے)
مے سر یا م حمت (تو) مغفرت (میں) دیر کیا جب انھیں دستِ مبارک وہ دھندلے واسطے
چشمِ اقدس کا جو ہے بیکار وہ (خدا) ٹکایا حضرت عیسیٰ کی عمت وہ دھندلے واسطے
حضرت عالی ہے وہ سرِ جنتِ رحمتِ جہاں حضرت بنی شہنشاہ مدد کے واسطے
سائے حق تم تمہارا سایہ ہے امت کو پس کیوں پھر یہ سرِ شہنشاہی ہمارے واسطے
دے اچلا ہوں میں جہاں سے حق اسکا ہی چاہے کیا اور بار بار جس کے واسطے
ہے بہت نزدیکی سے میرے طالبِ خدا اور پھر حضرت سامانیٰ لقا کے واسطے
تیرے حق کو میں سنا ہوں حق سے جو کوئی نایا یہ دعا میں فقط اس صدف کے واسطے
جیسے تیرے گرفتارِ عقوبت یا غلام آپ کی امت میں کہلا کر عطف کے واسطے
یا نبی یہی ہے غمِ سرورِ مری (تو) یا نبی حشر آلِ پاک و عبادِ یارِ باصف کے واسطے

سلام

یا نبی سلام علیک یا رسولِ سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوات اللہ علیک
تم ہو سید تم ہو سرور تم شفیع روزِ محشر
تم ہی قسم مرسلین ہو تم حبیبِ پاکِ راور
یا نبی سلام علیک یا رسولِ سلام علیک

یا حبیب سلام علیک	صلوٰۃ اللہ علیک
تم جو صابر و قہر مند	تم جو صابر و قہر مند
تم وہ محبوب (دوست) ہو	وہ کہ جسے رب کسر
یا نبی سلام علیک	یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک	صلوٰۃ اللہ علیک
تم جو قابل سب دعا کے	تم جو (اللہ) سب نیکو
شان و رخصہ بارک اللہ	سب (افضل) سب برتر
یا نبی سلام علیک	یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک	صلوٰۃ اللہ علیک
تم سے دین حق میں (یا با)	تم یہ ایمان میں سے لایا
تم وہ خاص (خاص) رب ہو	جسے کسوں کے بارو یاد رہ
یا نبی سلام علیک	یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک	صلوٰۃ اللہ علیک
پاؤ نقرش میں سرسبز	بار عیال سے صاف برتر
دستگیری میر (یا) کیسے	چہ یہ رحمت میں مرفیٰ و حتر

کلام غالب کے بنگلہ تراجم

عبد عاقل میں غالبہ اندازِ آفتاب و دلوں قماروں پر بہت کام ہوا ہے۔ اور
 دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے تراجم بھی ہوئے ہیں غالب کا تعارف بنگال میں ایسویں
 صدی عیسوی کے اوائل ہی سے ہوا۔ اور تب وہ کھڑے تھے تو اہل بنگال میں ان کی شخصیت
 اور کلام سے واقفیت میں اور بھی اضافہ ہوا۔ موافقین اور مخالفین کے دو گروپ ہو گئے
 یہی نہیں بنگال میں ان کے حقداروں کے علاوہ ان کے ناگرد بھی پائے جاتے ہیں تشکیل
 پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان میں اقبال کے بنگلہ تراجم اکثر و بیشتر مومنے درخت پی
 صورت میں شائع کئے گئے۔ اس طرح اقبال کی مقبولیت عام اور وسیع میں ہوئی۔
 غالبہ کلام و عرف اقبال کے مقابلے میں بلکہ ویسے بھی مشکل ہے بظاہر اسی لئے اس کے
 تراجم بنگال اور اس کے بعد کم ہوئے۔ بلکہ اس سلسلے میں کوئی اختیاری صورت نہیں
 برقرار تھی۔ یعنی غالبہ کلام کے بنگلہ تراجم جنود اور صدیقی دونوں ادیبوں اور شاعروں
 نے کئے ان میں کچھ مجموعی کی صورت میں اور کچھ کتابی شکل میں، شاعرت یدیر ہوئے،
 ایک اور بات قابلِ توجہ ہے کہ بنگالی اہلِ قلم کے معذور و معلوم تراجم کے ساتھ ساتھ عادی کے
 حالات بدلے۔ وہ کلاسیک تنقید بھی لکھی گئی ہیں اور ان کے فلسفیانہ خیالات اور عسقی جذبہ بات سے
 بحث بھی کئے۔ اس سے اس بات کا مزہ نہ لگایا جاسکتا ہے کہ تعظیم غالبہ کے سلسلے

میں جنگی، دیبا، اردو اپنی نظم کے قریب ہیں۔ اس لئے کلام غالب کے ہنگامہ تراجم کے ساتھ ساتھ غالب کے جنگی سترجیم کے خیالات کا اعلیٰ سطح پر پیش کرنا یہ ہو گا۔

مجموعہ سے پہلے میں رشید فاروقی کا تذکرہ کرنا ہوتا ہے چونکہ ”ماہ نو“ مطبوعہ ڈھاکہ اگست ۱۹۶۷ء میں، ”روادب اور پینٹ“ کے عنوان سے، ایک مقالہ سپردِ قلم ہے، اور غالب کی زندگی اور شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ تیار کیا کہ غالب ایک ”سین سٹار“ تھے، ان کی شاعری نے اس میں امر بنا دیا ہے۔ ان کے خیال میں غالب کی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

دو در اول : ابتدا سے ۲۵ سال کی عمر تک، اس عہد کی شاعری میں جو پامائے احساسات پیدا ہوئے ہیں۔ دیونا غالب سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ غالب کے جذبات میں اس دور کے شاعری میں فارسی، زبان کا اثر زیادہ ہے کیونکہ اس عہد میں فارسی کا اس قدر چرچا تھا کہ غالب کی کوئی بھی شاعر اس سے متاثر ہونے بغیر نہیں رہ سکتا تھا فارسی الفاظ و دوسرے الفاظ کا، تناغلیہ تھا کہ اردو بالکل فارسی میں چوکی تھی۔

دوسرے دور : عیسائی دور، عیسائی دور کے بعد میں کم ہو جاتا ہے۔ اس عہد کی زبان اور طرزِ بیان، اسٹان اور سنسکرت ہو گیا تھا اور حال اور زیرِ قلم ہنس تھی۔ تیسرے دور میں غالب کی زبان اور اسلوبِ بیان اتنا بہتر ہو گیا تھا کہ غالب کو، آج کے دور کے کلاسیک شاعر سمجھا جاتا ہے۔

غالب کے کلام کی خصوصیات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس عہد میں بہت سے فارسی اور عربی کے مشکل الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہ طرزِ نفس ان کی صداقت سے بالاتر نہ تھی، حالانکہ جس طرح سمجھتے تھے، اسی طرح معکروں اور مدد میں شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن ان کے اندر شاعری ہونے کے لیے تعمیق ہوتے تھے۔ ان کی شاعری میں سلف ہے، ہونے کو کسی عام مدد میں یا محض ہونے پر زندگی کا انہیں کوئی شمع نہ کی۔

(۵) میں بھی منہ میں زہن رکھتا ہوں
کاستی پوچھو کہ صدقہ کی ہے

۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸	۴۹	۵۰	۵۱	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶	۵۷	۵۸	۵۹	۶۰	۶۱	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۷۲	۷۳	۷۴	۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	۸۱	۸۲	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	۸۹	۹۰	۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸	۹۹	۱۰۰
----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	-----

۶۶ عشق سے طبیعت ہے ہیست کامر پیاد
ورود کی روا پائی، ورود بے درو پیاد

۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸	۴۹	۵۰	۵۱	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶	۵۷	۵۸	۵۹	۶۰	۶۱	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۷۲	۷۳	۷۴	۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	۸۱	۸۲	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	۸۹	۹۰	۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸	۹۹	۱۰۰
----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	-----

۶۷ آتا ہے داغِ حسرت دل کا شمار یہ
جو ہے مرے گھر کا حب ہے خدا رنگ

۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸	۴۹	۵۰	۵۱	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶	۵۷	۵۸	۵۹	۶۰	۶۱	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۷۲	۷۳	۷۴	۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	۸۱	۸۲	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	۸۹	۹۰	۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸	۹۹	۱۰۰
----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	-----

مجھے شعر کے سلسلے مصرع میں مترجم ہے طبیعت کا ترجمہ درست نہیں کیا
میں کا اعتبار یہی تھا کہ ان شیعہ کیسے جس سے صحیح معلوم نہ نہیں ہوتا
مصرع یا بحر کے شعر کے سلسلے مصرع میں زبان کا ترجمہ ہو سکا، مذکورہ جو کچھ
ان کا معلوم پور نہیں ہوتا

دوسری شخصیت ابو سعید ایوب کی ہے جو مذکورہ غزلیات غالب کا انتخاب
تعارفی اور تصدیق تقدس کے ساتھ کتب بی صورت میں ڈسے پسندنگ لکھتے ہوئے
۱۹۷۶ء میں شائع کی۔ جناب ابو سعید کی مادری زبان اردو ہے لیکن انگریزی میں
بہت مہارت تھی جس کے واسطے ان کی کتب میں اردو اور انگریزی دونوں

تنگو پر یہ تنازعہ حقیقت سمجھنے پر غائب کی طرف ان کی توجہ یقیناً ایک دن تکبے
 کیونکہ عام جمالی طور اور یہ ہیں۔ رز کے ادیب ان کے نزدیک ہر خصوصیت سے متوجہ
 ہوئے۔ اور کچھ سے لے کر قلم کے مستحب انفراد کا ترجمہ ہے۔ موصوعیات کے لحاظ سے
 انتخاب کر کے کا ارادہ ہے، لیکن غزل میں یہ کام مشکل ہے کیونکہ ساز کے موضوعات
 و مصلحتات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اشعار کو ایک ہی ٹری میں پر، دشواری ہے غزل
 کا ہر ایک کلمہ سے مستحق حلقی حقیقت ہیں، اس سے عین غزل میں کہے کم لفظ کے
 دس سے سے تساوہ ہے حیات و احساسات کو بیان کرتے ہیں اور تاہم کسی مانتوی خوبی
 کا کارہا ہے پڑتے۔ نو بے لفظی ترجمے سے احترام کی ہے تاکہ اصل مطلب واضح
 ہو سکے۔ مترجم، اگر قادر الکلام ہوتا تو شعر کا ترجمہ ہر طور پر کر سکتے ہیں۔ ہاں میں
 شک نہیں کہ سطور ترجمے و اصل معلوم سے فریب ہے۔ ہے جن دشواری ہوتی ہے۔
 ہر مضمون۔ متواتر ترجمے میں انہوں نے کوشش کی ہے۔ ساز کو۔ یہ شعر کی
 رہنمائی اور تساری کی روح سے روشناس کیا دئے تاکہ غالب کے فکر و فن اور شعرا
 ہمیت کا اندازہ لگ سکے۔ جو سعید ابوسے اس امر کی وضاحت کر دے کہ بعض جگہ
 عبارت کی مخصوص ترکیبوں اور دلکش استعاروں کے متادوں سے بلا لفظ و مضمون کے
 باعث نہیں آئے ترمیم کر۔ پڑا ہے تاکہ ان کے شعر کے معروف احساسات و جذبات اور
 نازک حیات کو قارئین کے دہن تک صحیح طور پر منتقل کیا جاسکے۔ غالب، رز کے
 مشکل کو نہ صرف یہ دیکھتے تھے، ایسے اشعار کہے ہیں جو سمجھ میں نہیں آتے لیکن بہت
 سارے زبان شعری کہے ہیں، بعض ایسے اشعار کہے ہیں جن کا مطلب سمجھنے پر عمل پر
 نہ رہا پڑتا ہے۔ لیکن غالب کے یہ سکوء لفظ اور دلکش ہے۔ یہ سارے مضمون
 ہونے بغیر نہیں رہ جاتے۔ مانتویات غزل کی شخصیت کے رز کو دکھوتی ہے
 یعنی ایسے شخصی رنگ و آہنگ۔ یہی نہ صرف میں کرتے ہیں جسے قابل اعتناء سمجھیں

۳۱۔ جوتی کیا کیفیت پر میرے اگر سو پارہ ہو جائے
بھگتا ہوں کہ ڈھونڈنے سے، جگ سے ہر دن جس کو

۳۲۔ ہم کہاں کے را " کس سڑ میں بخت سے
یہ سبب چراغ آتے دشمن " سہاں اپنا

۵۔ بے دار عشق سے نہیں ڈرتا سنگر اسد

حسنوں پر مارتی محبت وہ دل نہیں رہا

۶۱۔ تیرا فرق اوروں سے کہاں
وہ شب و روز و مہر و سال کہاں

عانت کے یہاں جوئے حوالہ کی ترکیب کا ترجمہ آنکلی میں دھارا کی سی ہے جو
 درست نہیں تھی، شک جہتم پر رہا جاسکتا تھا "آنکھی جہتہ"۔ یہ تیریں۔ ۱۱
 (۴) پیدا اس کہ ہے دولت اس کا گزیر اس کی ہیں
 تیری رفیق جس کے بازو پر ریشاں ہو گئیں

۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰
۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰

پہلے سفر میں سر ہمے عاقبت کے معرہ کو دوبارہ کر دیا ہے یعنی دوسرے
 ٹکڑے میں دل کا ترجمہ خوب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ نیک کے عہد جواب ہی کی توقع ہے
 دوسرے معرے میں آدھو مون یعنی اسے دل کا قبضے کی ضرورت کی وجہ سے حاصل
 لایا گیا ہے

(۴) جلوہ گزے کیا تھا رواں چسراں آب جو
 پاں رواں تر گلاب جہتم تر سے خون ناب تھا

۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰
۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰

(مستور تراجم)

(۵) پڑ جہمت وجہ سید مستی ارباب چس
 سائے ناک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب

۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰
۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰

(۶) ہے پیر ماسوہ موسم کہ مجب کیا ہے اگر
سوجہ ہستی کو کہے نہیں ہوا سوجہ شرب

۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵
۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶
۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴
۳۵	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲
۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸	۴۹	۵۰
۵۱	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶	۵۷	۵۸
۵۹	۶۰	۶۱	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶
۶۷	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۷۲	۷۳	۷۴
۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	۸۱	۸۲
۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	۸۹	۹۰
۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸
۹۹	۱۰۰	۱۰۱	۱۰۲	۱۰۳	۱۰۴	۱۰۵	۱۰۶

(۷) خزاں کیا ہے فصل گل کہے ہیں کس کب کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں، نفس ہے، اور ماتمہ بال و پر کا ہے

۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵
۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶
۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴
۳۵	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲
۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸	۴۹	۵۰
۵۱	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶	۵۷	۵۸
۵۹	۶۰	۶۱	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶
۶۷	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۷۲	۷۳	۷۴
۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	۸۱	۸۲
۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	۸۹	۹۰
۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸
۹۹	۱۰۰	۱۰۱	۱۰۲	۱۰۳	۱۰۴	۱۰۵	۱۰۶

(۸) نقش فریادی ہے کس کی تو خنّی 'تخسیر' کا
کاغذ ہے پیر، ہر سیکر تصویر کا

۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵
۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶
۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴
۳۵	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲
۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸	۴۹	۵۰
۵۱	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶	۵۷	۵۸
۵۹	۶۰	۶۱	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶
۶۷	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۷۲	۷۳	۷۴
۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	۸۱	۸۲
۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	۸۹	۹۰
۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸
۹۹	۱۰۰	۱۰۱	۱۰۲	۱۰۳	۱۰۴	۱۰۵	۱۰۶

غالب کے فکر و فن کا تجزیہ

پوچھتے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ —
— فی سببہ اللہ محمد مستور ہے —

[illegible]

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمرہ تھا جس کے دروازے پر ایک

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمرہ تھا جس کے دروازے پر ایک

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمرہ تھا جس کے دروازے پر ایک

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمرہ تھا جس کے دروازے پر ایک

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمرہ تھا جس کے دروازے پر ایک

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمرہ تھا جس کے دروازے پر ایک

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمرہ تھا جس کے دروازے پر ایک

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمرہ تھا جس کے دروازے پر ایک

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمرہ تھا جس کے دروازے پر ایک

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمرہ تھا جس کے دروازے پر ایک

تھیں۔ ہر ایک کے لئے ایک ایک کمرہ تھا۔

”کیفیت میں بھرپور تھے۔ خصوصاً کتاب میں یک جہت لکھے ہیں۔“

”شاعری معنی آفرین تھی، تاہم سبلی نہیں“

اس معنی آفرینی، کی کیفیت قریب کو ایک منزل ذیل کے شعر میں بہت واضح طور

پر منقوب ہے عتبہ مرید سے۔

دو یا شہد حسرت یک نظر سے ۔ ہوس کو پا میں ناموس وں کیا

ناموس عشق و ہوس اور پائنداری و پائنداری کا قاف ہم مطاب لکھ

مطابقت و مطابقت کے ساتھ جنس کی ہے ”ہوس“ کو ”دو یا شہد“ جس سے تعبیر

کرا جو ایک لمحے میں کون کی طرح نظر کر بھج چا تھے، لیکن دیر پا نہ رہیں موقد ناموس

دن داری کے فساد سے جس میں ثابت عشق کے مطابق ہے۔ عشق کی پائنداری تو روز امن

و دے جہاں رہے اسی مضمون پر غالب کا دوسرا شعر پیش کیا جاتا ہے جس میں شاعر

دے دغا داری کو صحیح معنوں میں ایمان و یقین قرار دیا ہے اور اس شرط کے ساتھ ساتھ مسلم و

غیر مسلم کا امتیاز تک باقی رکھا، کہتے ہیں۔

دن داری بشرط استواری اصل ایمان سے

مرسدہ تھلے میں تو کیجئے میں گاؤں بر حسن کو

”کتاب کے فن کی، عراویت اور فکر کی عظمت سے، نگار اردو شاعری کی عظمت

اور عراویت سے، نگار کے مترادف ہے۔ ان کی زبان کی دلکش طرزِ ادا کی بھرپور فہم

کی پرورش، فارسی ترکیب اور دیوئی ورسے کا راجل، متعلیل ملاحظہ ہو۔

دیکھو تو دھڑکی اور نقش پا ۔ میر جی حسرتو یا بھی کیا لکھ کر لکھی

عالمیت کے قلم و دہان میں جہاں انقلاب پیدا کیا وہ ایسا مثال آپ ہے

اس سے پہلے اردو شاعری کا دامن احساسات و جذبات سے معمور تھا لیکن اس میں

فکر و نظر کی وہ بلندی نہ تھی جو، جسے عالمیت حاصل کی۔ میر نے اردو شاعری کو سپر دنگ و

ان کے غمگدہ فہم میں سوزِ دروں، آتشِ سیال کی طرح موجِ زلی ہے۔ ان کے خیال کی رفتاری غمِ ایک تیسیر کا عطیر ہے۔ حرکتِ مریخی کی طرح ان کی شاعری حسا لیاقت پہلو کی زمینِ مست نہیں۔ وہ محبوب کے حسنِ جمال سے لطفِ امداد ہوتے ہیں، سیکس جہاں کہ شاعری کا تعلق ہے اس میں جلال کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ شیوہء عاشقی سے وہ بخوبی واقف ہیں اور عشق میں اٹھڑی سے بھی مبرا نہیں۔ لیکن اپنی جدت پسند طبیعت اور طرزِ بیان کی انفرادیت سے کام لے کر عشق میں شکوہ بیدار کے بجائے تقاضائے جفا کے لئے "نار و فریاد" کو حسنِ طلب سے تعبیر کرتے ہیں۔

نار جز حسنِ طلب ہے ستمِ رجا نہیں

ہے تقاضائے جفا شکوہ بیدار نہیں

غالب اپنے فارسی کلام کو "نقشِ باغ رنگ رنگ" کا ایک حصہ و عنصر قرار دے سکتے تھے جن اور اسی پر انہیں خزانہ ناز بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے فارسی کلام کی مقدار جہاں اردو کلام کی بد نسبت پانچ چھ گئی۔ بارہ ہے۔ وہاں لطیف اصناف اور بڑے تخیلات کے باعث اردو کے مقابلے میں فارسی کلام کہیں نہ زیادہ ممتاز اور اعلیٰ معیار و افکار کا حامل ہے۔ اس کے برعکس غالب اپنی اردو شاعری کو بے رنگ و درخشاں جانتے ہیں۔ لیکن اسے زمانے کی ستم خیزی کیلئے یا ان کے کلام کی طرزِ کاری کا قالب کو جو ثہرت ان کے اردو کلام کی بنا پر تعیب ہوئی وہ فارسی کلام کی بدولت میسر نہ ہو سکی۔ اس کا سبب بہت واضح ہے کہ مملکتِ مغلیہ کے زوال کی وجہ سے فارسی زبان کی پہلی سی قدر و منزلت ہائی نہ تھی اس لئے غالب کی فارسی شاعری کی حیثیت و عظمت کا بنا پر ان کی سرپرستی کو نہ کرنا جبکہ فارسی دہلی کی زبانِ نئی و قوم کی۔ غالب کی عدم شہرت کا ایک سبب آپ اسے بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ان کی شاعری کی مقبولیت کا اندازہ لگانے کے لئے ثبوت کے طور پر اس امر کا ذکر واجب نہ ہو گا کہ خود غالب کی زندگی میں ان کے فارسی

کلام کی اشاعت صرف دوبارہ اور دو کلام کی اشاعت پانچ بار ہوئی۔

غائب نے فکر و خیال اور زاویہ نظر کے کیسے کیسے جا رو جگائے ہیں۔ اس کا اندازہ آپ اسی وقت دگا سکتے ہیں جب ان کے گھٹتی شعور و محنت کی سیر کریں۔ اور دل و نگاہ کو ان کی فکر و نظر دیں۔ ”باہر پاری“ کو ”آئینہ“ کہنا اور جن کے سر سبز و شاداب پودوں کو ”زنگار“ سے تعبیر کرنا غائب کے تخلیقی ذہن کا کمال نہیں تو اور کیا ہے۔ ”کائنات“ اور ”کائنات“ دونوں ایک دو دوسرے کے شہسوار کے لئے لازمی جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلوہ افروزی کا مشاہدہ و مظاہرہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کائنات اور کائنات دونوں یکساں نہ ہوں۔ ایک کو امتیازی حیثیت بخشنے کے لئے دوسرے کی موجودگی ضروری ہے جس طرح دن کے بغیر رات کا تصور ناممکن ہے۔ مادی اور غیر مادی اشیا کے تصور سے غالب نے جس حقیقت کا انکشاف کیا ہے وہ حد درجہ سائنسی نقطہ نظر کے عین مطابق ہے اور ملتے ہیں۔ ان آئینے کائنات جلوہ پیدا کر نہیں سکتی

جن زنگار ہے آئینہ باہر پاری کا

غائب کے خیال کی رنگارنگی صرف ان کی شاعرانہ فن کاری تک محدود نہیں بلکہ وہ فکر کی راہ سے فائدہ و تصوف کی دنیا میں داخل ہو گئے ہیں اور یہاں بھی اپنی جذبات طبع کے جوہر دکھاتے ہیں۔ عقیدہ وحدت الوجود کے متعلق فلسفہ و شعر کے امتزاج سے ذہن کے شعر میں ایک لطیف اہام پیدا کیا ہے مگر ”سند کے روشنی“ و ”دش طہر کی وحدانیت کا اعتراف بھی اس میں موجود ہے۔ کہتے ہیں۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

زہو یا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

حالی نے غائب کو حیوان حریف ”کہا ہے۔ ان کا یہ خیال کس قدر حقیقت سدا ہے کہ غائب کی نظم ہو یا نثر ہر جگہ ان کی عظمت کے مستند یا نکلے نظر آتے ہیں۔

اور ان کے غنیمت مزاج کی چاشنی لطف دے جاتی ہے۔ غالب کے کلام پر اس کی مثالیں
بآسانی مل جاتی ہیں۔ واعظ پر طنز کا یہ پہلو ملاحظہ ہو۔

کہاں میخاؤں کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جلتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نیلے

ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔ غالب نے مے نوشی و بارہ خوار سے اپنے واسن کو
کچھ اس طرح آکودہ کر لیا کہ مسائل تصوف کے بیان کے باوجود زہد و تقویٰ کی ولایت کے
دائرے میں داخل نہ ہو سکے۔ خود فرماتے ہیں:۔

یہ مسائل تصوف، یہ ترا بیان غالب
بچے ہم دل سمجھتے جو زہادہ خوار ہو سنا

یہ تھا غالب کے فکر و فن کا مختصر سا جائزہ جو پیش کیا گیا۔ غالب کی ولایت چاروں
اور ان کی مقبولیت لازماً ان کا کلام ان کی شخصیت کا ترجمان ہے اور ان کی شخصیت
ان کے فکر و فن کی عکاسی!



- نام: محمد کلیم (کلیم مسسٹری)
- پیدائش: ۱۲ جنوری ۱۹۲۳ء
- جائیداد: سسران، ضلع رہنماں، بہار (ہندوستان)
- تعلیم: بی۔اے (آنرز)، ایم۔اے (اردو)
- پیشہ: ایم۔اے (فارسی)، ڈھاکا یونیورسٹی
- ڈی۔لٹ (تہران یونیورسٹی)
- ڈیوٹو: قدیم فارسی، اوستا، پہلوی (تہران)
- پیشہ: پروفیسر شعبہ السنہ (راہنما یونیورسٹی)
- مدت شعبہ: (۱۹۷۶ - ۱۹۷۹ء)
- (۱۹۸۲ - ۱۹۸۵ء)
- ۱) صدر پاکستان (انعام خصوصی) ۱۹۵۹ء
- ۲) صدر پاکستان ایگراڈ قبول اعلیٰ تعلیم ۱۹۶۱ء
- ۳) ایران، پاکستان اور ہندوستان کے علمی و ادبی سمیناروں میں شرکت۔
- ۴) ایم۔اے (پہلوی) ۱۹۷۱ء رولیت و درایت
- ۵) بیگال میں فائنل تھامی
- ۶) اردو کے بیگالی شعراء، (۱۹۷۲) ارمغان بیگال
- ۷) بیگال میں سلاوی تصویر، ۱۹۷۱ء سلاوی و سما
- ۸) اردو کے بیگالی انگریزی، ۱۹۷۱ء مختار بیگالی، بیگال
- ۹) فارسی، (۱۹۷۱) شعری مجموعہ۔
- ۱۰) دست بخت، (۱۹۷۱) ادب و احتساب
- ۱۱) انجمن دانش، ۱۹۷۱ء تذکرۃ العلما
- ۱۲) ڈیوٹو: ایم۔اے، یونیورسٹی کمپس، راہنما یونیورسٹی